تنظیمِ اسلامی

ستمبر ۲۰۰۱ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لئے طالبانِ علم قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں:

- واضح رہے کہ یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہیں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے ـــــ تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔
- یہ بھی نوٹ کر لیا جائے کہ کورس کا دورانیہ یکم ستمبر سے 31 مئی' قریباً 9 ماہ بنتا ہے۔ جون' جولائی' اگست کے تین مہینے ابتداء میں کورس میں شامل تھے لیکن گرمی کی شدت کے پیش نظر تدریسی نصاب کا حجم کم کر کے کورس کا دورانیہ کم کر دیا گیا۔

سیشن 02-2001ء کے داخلے کا شیڈول ان شاء اللہ حسب ذیل ہوگا:

- داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ 26 اگست 2001ء ہے۔
- داخلہ کے لئے انٹرویو 31 راگست 2001ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوں گے۔ (شرکاء کی سہولت کے پیش نظر داخلہ فارم بروقت جمع نہ کرانے والوں کو براہ راست انٹرویو میں شریک کیا جا سکے گا)
- کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر 2001ء سے ہو جائے گا۔ پہلے روز تعارفی نوعیت کی کلاس ہوگی' باقاعدہ تدریس کا آغاز ان شاء اللہ سوموار 3 ستمبر 2001ء سے ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور (فون: 03-4869591)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۵۰

شمارہ: ۹

جمادی الثانی: ۱۴۲۲ھ

ستمبر: ۲۰۰۱ء

فی شمارہ: ۱۰ روپے

سالانہ زرِ تعاون: ۱۰۰ روپے

اس شمارے کی قیمت: ۱۶ روپے

ادارہ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ 22 ڈالر (800روپے)

☆ سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات 17 ڈالر (600روپے)

بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان

☆ ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر 10 ڈالر (400روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون: 03-02-5869501

فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

❁ عرضِ احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

❁ **تذکرہ وتبصرہ** ——— ۷

۞ مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہماری غلطیاں اور اس کا واحد قابل عمل حل ۷
(۱۳ جولائی کا خطاب جمعہ)

۞ پاک بھارت تعلقات (۲۰ جولائی کا خطاب جمعہ) ۴۳

۞ بھارت کی معروف سیاسی شخصیت سید شہاب الدین کا تائیدی مراسلہ ۶۸

۞ ''اینڈورا'' کی تحقیق ۷۰

❁ بیان پریس کانفرنس منعقدہ ۱۰/اگست ۲۰۰۱ء ——— ۷۱

۞ بعض سوالات کے جوابات ۷۷

۞ پاک بھارت تعلقات' قائداعظم کی نگاہ میں ۷۸

❁ **قند مکرر** ——— ۷۹

۞ پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش (میثاق' جولائی ۹۴ء) ۸۰

۞ پاک بھارت مفاہمت اور مسئلہ کشمیر کا حل (" ") ۹۹

۞ بیان پریس کانفرنس (۲۵/اکتوبر ۹۵ء) ۱۰۳

۞ مسئلہ کشمیر: تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا (۴/فروری ۲۰۰۰ء کا بیان)

❁ **ضمیمہ** ——— ۱۰۵

مسئلہ کشمیر کے ضمن میں مولانا مودودی مرحوم کا تاریخی انٹرویو

(شائع شدہ: روزنامہ ''تسنیم'' ۱۱/اگست ۴۸ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

زیر نظر شمارہ' جو ماہ اگست رستمبر کا مشترک شمارہ ہے' مسئلہ کشمیر اور پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے ایک خصوصی اشاعت کا درجہ رکھتا ہے۔ گزشتہ ماہ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کے دورۂ بھارت کے نتیجے میں کشمیر کا مسئلہ ایک بار پھر پوری شدت کے ساتھ اجاگر ہوا۔ اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسئلہ کشمیر گزشتہ ۵۴ برسوں سے اس خطے میں قیام امن کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ اور پاک بھارت تعلقات میں شدید نوعیت کی کشیدگی کا باعث بنا ہوا ہے۔ بھارت اور پاکستان کے ایٹمی قوت بن جانے کے بعد پوری دنیا خائف ہے کہ کہیں یہ کشیدگی بڑھ کر ایٹمی جنگ کی صورت اختیار نہ کر لے جو انسانیت کے لئے انتہائی مہلک اور تباہ کن ثابت ہوگی۔

مسئلہ کشمیر کی حساسیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان اسے اپنی شہ رگ قرار دیتا ہے جبکہ بھارت جس نے کشمیر کے ایک بڑے رقبے پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے' اسے اپنا ''اٹوٹ انگ'' گردانتا ہے۔ چنانچہ دونوں ملکوں کے عوام بھی اس حوالے سے شدید جذبات و احساسات رکھتے ہیں اور مفاہمت کے مقابلے میں کسی آخری فیصلہ کن مرحلے کو زیادہ قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔ تاہم دونوں ملکوں کے سوچنے سمجھنے والے طبقات میں کہ جو معاملات پر جذباتی انداز میں نہیں بلکہ حقیقت پسندانہ انداز میں غور کرنے کے عادی ہوتے ہیں' یہ شعور بڑھ رہا ہے کہ اس تنازعے کو باہم افہام و تفہیم کے ذریعے سلجھانے کی کوشش کی جائے اور ''کچھ لو' کچھ دو'' کے اصول پر معاملات طے کر لئے جائیں۔ ہمارے لئے سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ ہم خواہ لاکھ واویلا کریں کہ بھارت مسئلہ کشمیر کے ضمن میں یواین کی قراردادوں کو پامال کرنے میں تمام حدود پھلانگ چکا ہے اور شدید ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہا ہے' امر واقعہ یہ ہے کہ اس سب کے باوجود بھارت آج امریکہ اور یواین او کا منظور نظر اور چہیتا ملک ہے اور سلامتی کونسل میں اس کی شمولیت کے لئے راہ ہموار کی جا رہی ہے جبکہ ہم تین میں ہیں نہ تیرہ میں۔ عالمی طاقتوں کا تمام نزلہ پاکستان پر ہی گرتا ہے اور ہمارے اندر بھی دین سے غداری اور بے وفائی کے باعث آج اتنا دم خم نہیں ہے کہ ہم اپنی شہ رگ کو دشمن کے شکنجے سے چھڑانے کی خاطر کھل کر بھارت کو چیلنج کر سکیں۔

امیر تنظیم اسلامی مسئلہ کشمیر کے حل اور پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے جو مخصوص نقطہ نظر رکھتے ہیں وہ نہایت حقیقت پسندانہ ہے۔ اور اس کے باوجود کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ان

کی رائے عوامی جذبات سے ہم آہنگی نہیں رکھتی بلکہ خاصی متصادم اور مختلف ہے' انہوں نے اپنی رائے کے اظہار میں کبھی باک محسوس نہیں کیا۔ ۱۹۹۴ء میں اپنے اخباری مضامین میں وہ اپنی رائے کا کھل کر اظہار کر چکے ہیں۔ پھر اکتوبر ۱۹۹۵ء میں انہوں نے مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں اپنا موقف ایک پریس کانفرنس میں وضاحت کے ساتھ پیش کیا تھا۔ بعدازاں فروری ۲۰۰۰ء میں محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطاب جمعہ میں ایک بار پھر اپنے موقف کا اعادہ کیا جو ''ندائے خلافت'' کے علاوہ قومی اخبارات میں بھی شائع ہوا۔

گزشتہ ماہ صدر پرویز مشرف کے دورۂ بھارت سے قبل ۱۰ جولائی کو امیر تنظیم اسلامی نے پریس کلب' لاہور میں ''مسئلہ کشمیر کا قابل عمل حل اور پاک بھارت تعلقات'' کے موضوع پر پریس کانفرنس منعقد کی اور صحافیوں کے نہایت تیز و تند سوالات کے دوٹوک جوابات دیئے۔ اس پریس کانفرنس کے حوالے سے اخبارات میں مخالفانہ بیانات کا زور ہوا جو درحقیقت پریس کانفرنس کی غیر مناسب اخباری رپورٹنگ کے باعث پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ امیر تنظیم نے ۱۳ جولائی کے خطاب جمعہ میں اپنے موقف کو وضاحت کے ساتھ پیش فرمایا اور اس حوالے سے پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا۔ ۲۰ جولائی کے خطاب جمعہ میں بھی پاک بھارت تعلقات کے حوالے سے خصوصی گفتگو ہوئی جس کے ذریعے سے موضوع زیر بحث کے بارے میں امیر تنظیم کے نقطہ نظر کے قریباً تمام گوشے پوری وضاحت کے ساتھ سامعین کے سامنے روشن ہو گئے۔

زیر نظر شمارے میں امیر تنظیم اسلامی کے مذکورہ بالا دونوں خطابات جمعہ اور حالیہ پریس کانفرنس کے علاوہ موضوع زیر بحث کے حوالے سے تمام سابقہ تحریریں اور بیانات بھی شائع کر دیئے گئے ہیں —— اسی طرح محترم ڈاکٹر صاحب کے موقف کی تائید میں بھارت کی مشہور سیاسی شخصیت سید شہاب الدین کا خط بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے —— مزید برآں مسئلہ کشمیر کے بارے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کے موقف کی وضاحت پر مشتمل مولانا مرحوم کے ایک مفصل انٹرویو کے اہم اقتباسات بھی شامل اشاعت کر دیئے گئے ہیں۔ یوں یہ ''اشاعت خصوصی'' اپنے موضوع پر ایک دستاویز کی صورت اختیار کر گئی ہے۔

☆ ☆ ☆

حالات حاضرہ

''عالمی نظام خلافت' امارت اسلامی افغانستان اور مسلمانان پاکستان''

امیر تنظیم اسلامی کے ۳ ر اگست کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

☆

پاکستان اور افغانستان کے حالات میں بعض بنیادی نوعیت کے فرق و تفاوت کے باعث یہاں طالبان طرز کے انقلاب کو کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پاکستان میں اگر اسلامی انقلاب برپا ہو سکتا ہے تو وہ منہج انقلاب نبویؐ کے مطابق طریق کار اختیار کرنے سے ہو سکتا ہے۔

گزشتہ ۲۲ برسوں میں افغانستان میں اولاً کمیونسٹ حکومتوں کی یکے بعد دیگرے تبدیلی بعد ازاں روس کی براہ راست فوج کشی کے خلاف عوامی ردعمل اور پھر روس کے انخلاء کے بعد جہادی تحریکوں کی باہمی خانہ جنگی کے باعث ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ طالبان کی مخلص قیادت کو اس تیزی سے کامیابی حاصل ہوئی اور وہاں ایک خالص حنفی سنی اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ جبکہ پاکستانی معاشرہ اس اعتبار سے ترقی یافتہ معاشرہ ہے کہ یہاں مضبوط حکومت اور منظم فوج ہی موجود نہیں بلکہ ایک ذہین اور مؤثر بیوروکریسی موجود ہے۔ تاہم بدقسمتی سے یہاں کی لیڈنگ کلاس جو یہاں تمام اہم شعبوں میں فیصلہ کن اختیارات رکھتی ہے لبرل اور سیکولر سوچ کے افراد پر مشتمل ہے۔ ان کی موجودگی میں یہاں اگر اسلام کے نفاذ کے لئے طالبان طرز کی کوئی تحریک چلی تو اس کا ایک انجام یہ ہو سکتا ہے کہ اسے مکمل طور پر کچل دیا جائے' ایسی تحریک کا یہ انجام اس ملک میں اسلام کے مستقبل کے حوالے سے انتہائی مہلک ثابت ہو گا۔ بالفرض اگر اس تحریک کی کامیابی کا پاکستان میں کوئی امکان ہوا بھی تو اسے صرف سرحد اور شمالی بلوچستان کے کچھ حصوں میں پذیرائی حاصل ہو گی جس کا نتیجہ پاکستان کی پختون بیلٹ کے علیحدہ ہو کر افغانستان کا حصہ بن جانے کے سوا کچھ نہ نکلے گا۔ اس قسم کی کسی تحریک کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خلفشار کا خوفناک نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امریکہ کی شہ پر بھارت حملہ کر دے اور پاکستان کا وجود ہی

باقی نہ رہے۔ لہٰذا ان حالات میں یہ کہنا درست ہوگا کہ منہج انقلاب نبویؐ کے سوا کسی اور راستے سے پاکستان میں اسلام نہیں آ سکتا۔ حضور اکرم ﷺ کے انقلابی طریق کار کے مطابق ایک منظم جماعت کی صورت میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ تاہم اس کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نہی عن المنکر کی بنیاد پر دینی جماعتوں کا ایک مضبوط اتحاد ایک پریشر گروپ کی صورت میں مطالباتی تحریک کے ذریعے نفاذ شریعت کی جدوجہد کا آغاز کرے تو اس کام میں کامیابی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

امیر تنظیم نے کہا کہ پاکستان میں اسلامی انقلابی کے لئے نبوی منہاج پر کاربند رہتے ہوئے ہمیں طالبان حکومت کے استحکام کے لئے ان کی ہر ممکن مالی واخلاقی مدد کرنی چاہئے۔ اقوام متحدہ کی طرف سے پاک افغان سرحد پر مانیٹرنگ ٹیم کی تعیناتی کا فیصلہ انتہائی قابل مذمت ہے۔ اس اقدام کا مقصد طالبان کے گرد باطل کے گھیراؤ کو تنگ سے تنگ تر کرنا ہے۔ پاکستانی حکومت اور عوام کو اس فیصلے کی مخالفت کرنی چاہئے اور اس معاملے میں اقوام متحدہ کے ہر قسم کے دباؤ کو مسترد کرتے ہوئے تعاون سے انکار کر دینا چاہئے۔ بدقسمتی سے ایران نے اس فیصلے پر خوشی کا اظہار کیا ہے جو انتہائی افسوسناک ہے۔

حالیہ بلدیاتی انتخابات پر گفتگو کرتے ہوئے امیر تنظیم نے کہا کہ ایک بات واضح ہو گئی ہے کہ انتخابات کے ذریعے سیاسی قیادت میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ البتہ جماعت اسلامی کا ان انتخابات میں طرز عمل شدید مایوس کن ہے۔ جماعت اسلامی نے تمام اصول بالائے طاق رکھ کر جوڑ توڑ کی سیاست کی ایک ناگوار مثال قائم کی ہے۔

اسرائیل کے موجودہ حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر نے کہا کہ انتہا پسند یہودی ہیکل سلیمانی کی تعمیر پر کھل کر سامنے آ گئے ہیں اور بے گناہ فلسطینیوں پر ظلم وتشدد کی کارروائیوں میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے۔ اگرچہ انہیں اپنے معبد کا سنگ بنیاد رکھنے میں کامیابی نہیں ہوسکی تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عرب اسرائیل تنازعہ اب زیادہ پیچیدہ صورت اختیار کرے گا لیکن عالم اسلام فلسطینیوں کے ساتھ محض اظہار ہمدردی کے سوا اور کچھ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہماری اپنی غلطیاں اور اس کا واحد قابل عمل حل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ۱۳ جولائی ۲۰۰۱ء کا خطاب جمعہ

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات:

﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝﴾ (الانفال : ۵۸)

﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝﴾ (البقرہ : ۲۴۹)

﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

(آل عمران : ۱۶۰)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا:

آپ کے علم میں ہے کہ آج مجھے مسئلہ کشمیر کے بارے میں جو میری ذاتی رائے ہے اور اس سلسلہ میں پریس میں اور کچھ اخباری بیانات میں جو controversy شروع ہوئی ہے‘ اس کے ضمن میں وضاحتیں پیش کرنا ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر جنوبی ایشیاء کا ایک ایسا ناسور ہے جس میں سے پچاس برس سے خون اور پیپ بہہ رہا ہے۔ پاکستان اور بھارت کی ہزاروں انسانی جانیں اس مسئلے کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔ وہ وسائل کہ جو ان دونوں ملکوں کے عوام کی بہبود میں استعمال ہونے چاہئیں تھے‘ اسلحہ کی دوڑ اور جنگی تیاریوں کی نذر ہوئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حال ہی میں جبکہ یہ دونوں ملک ایٹمی طاقت بن گئے ہیں تو اس کا شدید

خطرہ پوری دنیا میں محسوس کیا گیا کہ کسی بھی وقت ایٹمی تصادم کے نتیجے میں بہت بڑی تباہی اور ہلاکت پیدا ہوسکتی ہے۔ اس اعتبار سے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی بھی انسان دنیا میں ایسا ہوسکتا ہے کہ جو اس مسئلے کے حل کی آرزو یا خواہش یا تمنا نہ رکھتا ہو۔ فرق یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کی رائے کیا ہے! کوئی کیا چاہتا ہے! کسی کی ترجیحات کیا ہیں! لیکن یہ کہ اس مسئلے کو حل ہونا چاہئے' یہ عوام کی بہبود کے اعتبار سے بھی ضروری ہے اور پورے علاقے کے امن اور سلامتی کے اعتبار سے بھی۔

دوسری بات جو میں کھل کر عرض کرنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ جہاں تک تقسیم ہند کے اصول اور اس کی روح کا تعلق ہے' اس کی رو سے اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ پورے کشمیر پر حق صرف پاکستان کا ہے۔ زیادہ سے زیادہ استثناء اگر ہوسکتا ہے تو صرف لداخ اور جموں کے وہ علاقے کہ جن میں غیر مسلم اکثریت ہوں اور وہ بھارت کے ساتھ ملحق بھی ہوں۔ اگر کوئی غیر مسلم اکثریت کا علاقہ کہیں پاکٹ کی شکل میں ہو تو وہ اس میں شامل نہیں ہوگا۔

غیر مسلم اقلیت ظاہر بات ہے کہ دو طرح کی ہے۔ لداخ میں بدھ مت کے پیروکار اکثریت میں ہیں اور جموں میں کچھ اضلاع کے اندر ہندو اکثریت میں ہیں۔ اور وہ چونکہ بھارت کے ساتھ ملحق ہیں' تو زیادہ سے زیادہ استثناء ان کا ہوسکتا تھا' ورنہ ہر اصول کے اعتبار سے باقی پورے کشمیر پر پاکستان کا حق ہے۔ اس لئے کہ تقسیم ہند کا اصول یہی تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم اس طور سے ہو کہ جو مسلم اکثریت کے علاقے ہیں وہ علیحدہ خطے قرار پائیں اور پاکستان بنیں اور جو غیر مسلم اکثریت کے علاقے ہیں وہ ہندوستان میں رہیں۔ جہاں ان کی سرحدیں ملتی ہوں وہاں جو بھی سرحدی adjustment کی ضرورت ہو' کی جائے۔ اگر صوبوں کی تقسیم بھی ہو تو ہو جائے۔ چنانچہ بنگال کی تقسیم ہوئی' پنجاب کی تقسیم ہوئی' یہاں تک کہ ضلعوں کی تقسیم ہوئی۔ اصول یہی طے ہوا تھا کہ جو بھی مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان کے ساتھ ملحق

ہوں تو ان پر پاکستان کا حق ہے اور جو غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت کے ساتھ ملحق ہوں تو وہ بھارت کے ہیں۔ لیکن کشمیر کا مسئلہ اس اصول کے مطابق حل نہیں ہو سکا۔ اس مسئلے کے حل نہ ہونے کا سب سے بڑا سبب جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں' بھات کی ہٹ دھرمی' وعدہ خلافی' عیاری اور علاقائی استعمار کی خواہش ہے۔ اپنے حجم کی بنیاد پر اس کے اندر شروع ہی سے یہ خواہش انگڑائیاں لے رہی تھی کہ اس پورے علاقے پر میری چودھراہٹ قائم ہو اور یہاں پر بھارت کی سرپرستی میں ایک استعمار وجود میں آ جائے۔

ہندو قوم میں مسلم دشمنی کی تین سطحیں

بھارت کی یہ جو روش رہی ہے کہ مسلسل وعدہ خلافیاں' دھوکے' اپنی commitments کو توڑنا' ہر وقت قلابازی کھانے کے لئے تیار رہنا' اقوام متحدہ سے جو وعدے کئے ان سے پھر جانا اور اس کے لئے عجیب عجیب بہانے تراش لینا' اصل میں اس کی پشت پر مسلم دشمنی کے جذبات کارفرما ہیں۔

ہندو قوم کے اندر مسلم دشمنی کی تین تہیں ہیں' جن کی ہمیں شناخت کر لینی چاہئے۔ واضح رہے کہ یہ بات کوئی مسئلہ کشمیر ہی سے متعلق نہیں ہے' بلکہ پوری ہندو قوم کی نفسیات سے متعلق ہے۔ مسلم دشمنی کی سب سے پہلی سطح' جو سب سے زیادہ بنیادی ہے وہ ہندو کی تنگ نظری' خود غرضی اور سیاسی چالبازی ہے۔ خاص طور پر سیاست کے معاملے میں ایک تو یورپ کا میکیاولی تھا' جس نے سیاست میں ہر جھوٹ' دھوکے' فریب' خیانت وعدہ خلافی کو جائز ہی نہیں بلکہ ضروری قرار دیا' اور ایک بھارت کا میکیاولی تھا ''چانکیہ''۔ اس نے بھی اسی طریقے سے ہندوؤں کی گھٹی میں یہ بات ڈالی ہوئی ہے کہ سیاست تو نام ہی دھوکے' جھوٹ اور استحصال کا ہے' گویا جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ اس میں کسی اصول یا کسی اخلاقی پابندی کا کوئی گزر نہیں۔ اپنے پڑوسی کے دشمن رہو اور اس پڑوسی سے آگے جو اس کا پڑوسی ہے اس سے دوستی کرو تا کہ اپنے پڑوسی کو دونوں

طرف سے گھیر سکیں۔ ایک تم اپنی طرف سے اس پر دباؤ ڈالو دوسرا جو اس کا پڑوسی ہے اس کی طرف سے دباؤ ڈلواؤ۔ یہ اس کے اصول ہیں جو اس نے سکھائے۔ اور ظاہر بات ہے کہ یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے' چندر گپت موریا کے زمانے یعنی زمانہ قبل مسیح کی بات ہے کہ جب سے ہندوؤں کی یہ ذہنیت بننی شروع ہوئی ہے۔

اس پر مزید اضافہ ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت کے دوران ہوا۔ مسلمانوں نے ہندوستان پر کہیں چھ سو برس' کہیں آٹھ سو برس' کہیں ہزار برس حکومت کی۔ ظاہر بات ہے اس کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔ ویسے بھی یہ صحیح ہے کہ مسلمان حکمرانوں میں بہت اچھے بھی تھے اور بہت برے بھی تھے۔ بہت عادل اور رحم دل بھی تھے اور ظالم بھی۔ پھر یہ کہ محکومی بذات خود ایک ردعمل پیدا کرتی ہے اور حاکم ومحکوم کے درمیان ایک نفسیاتی تناؤ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کوئی تھوڑا عرصہ نہیں' پورے ایک ہزار برس ہندو نے مسلمانوں کی محکومی میں بسر کئے ہیں۔ اور اس کی گہرائی کا اندازہ ہمیں ہو گیا تھا جب ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کے موقع پر اندرا گاندھی کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ "We have avenged our thousand years defeat." یعنی ''ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا۔'' اب آپ اندازہ کیجئے کہ ہندوستان میں یہ انتہائی لبرل خاندان تھا' یہ کوئی کٹر ہندو خاندان نہیں تھا۔ موتی لعل نہرو بہت لبرل انسان تھا۔ جواہر لعل نہرو سوشلسٹ تھا' وہ مذہبی ہندو تھا ہی نہیں۔ اندرا گاندھی خود لبرل تھی۔ وہ تو بعد میں جب ایک مرتبہ اس نے مسلم ووٹ کی وجہ سے شکست کھائی ہے تو پھر وہ الیکشن میں ہندو دیوی کا لبادہ اوڑھ کر آئی ہے اور اس نے دوبارہ کامیابی حاصل کی ہے' جس سے کہ بھارت میں ہندو فنڈامنٹلزم کا فروغ شروع ہوا ہے' ورنہ اس سے پہلے وہ سیکولر ذہن کی تھی اور بڑی شستہ اردو بولنے والی۔ موتی لعل نے کہا تھا لوگ مجھ سے میرے مذہب کے بارے میں پوچھتے ہیں' میں کیا بتاؤں کہ میرا مذہب کیا ہے۔ نسلی طور پر میں ہندو ہوں' لسانی اعتبار سے میں مسلمان ہوں' اس لئے کہ میرے گھر میں اردو بولی جاتی

ہے' تہذیبی اعتبار سے میں یورپین ہوں کہ میرے گھر کا سارا رہن سہن یورپین ہے۔ لیکن ایسے خاندان کی ایک عورت کی زبان پر بھی متذکرہ بالا الفاظ آ گئے۔ اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ جو کٹر ہندو تھے ـــــ وہ مونجے ہوں' ساورکر ہوں' پٹیل صاحب ہوں ـــــ ان کی ذہنیت کیا ہوگی! ع ''قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا!''

مسلم دشمنی کی تیسری سطح انگریزی دور میں پروان چڑھی۔ انگریز نے ہندوستان پر تقریباً دوسو برس حکومت کی۔ یعنی پلاسی کی لڑائی (۱۷۵۷ء) سے اس کی حکومت کا دور شروع ہو جاتا ہے جب بنگال میں اس کی حکومت قائم ہوئی۔ تب انگریز گورنر جنرلز آنا شروع ہو گئے تھے۔ تاہم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یا غدر کے بعد پورا ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کے تحت آ گیا اور انگریز وائسرائے آنا شروع ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں یہ دور ختم ہوا۔ اس ۱۹۰ برس کے دور میں انگریز نے مسلسل'' Divide and Rule'' کی پالیسی اختیار کی تاکہ ہندو مسلم کشیدگی میں اضافہ کیا جائے۔ ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' (Divide and Rule) کنزرویٹو پارٹی کا مبینہ اعلان شدہ اصول تھا' اس لئے کہ ہندوستان جیسی وسیع وعریض مملکت کے اوپر حکومت قائم رکھنا کوئی آسان کام تو نہیں تھا! انہیں اندازہ تھا کہ اگر یہاں کے لوگ ہمیں نکالنے کے لئے متحد ہو جائیں تو ہم کیسے یہاں رہ سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کی دشمنیوں میں اضافہ کرو' ان کے اندر موجود ایک دوسرے کے خلاف جذبات کو اور زیادہ بھڑکاؤ۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ ایودھیا کی بابری مسجد کا مسئلہ ایک انگریز بد بخت نے اٹھایا تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ یہاں پر ایک مندر تھا جس کو گرا کر بابر نے مسجد بنائی تھی' حالانکہ تاریخی اعتبار سے یہ بات بالکل غلط ہے۔ اور پھر انگریزی دور میں انگریز مجسٹریٹس اس مقدمے کو طول دیتے گئے اور مسئلے کو حل نہیں کیا' تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور دنگا فساد کی ایک بنیاد موجود رہے۔

مسئلہ کشمیر اور انگریز کی گھناؤنی سازش

مسلم دشمنی کے متذکرہ بالا تین عوامل کے علاوہ تقسیم ہند کے موقع پر اس میں ایک مزید عامل کا اضافہ ہوا اور انگریز نے یہاں سے جاتے جاتے ایک بہت گہری اور گھناؤنی سازش کے ذریعے سے کشمیر کا مسئلہ پیدا کر دیا۔ یہ مسئلہ کیوں پیدا کیا گیا' اس کو ذرا سمجھ لیجئے۔ دیکھئے ہم دو سو برس تک انگریز کے غلام رہے تھے۔ انگریز نے اس ملک کو بری طرح لوٹا تھا۔ ہندوستان سونے کی چڑیا کہلاتا تھا جس کی دولت کو انگریز نے دونوں ہاتھوں سے لوٹا۔ اب اسے یہ اندیشہ ہوا کہ جیسے ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف انتقام کے جذبات موجزن ہیں اسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے دلوں میں انگریز کے خلاف انتقام کے جذبات پیدا ہو جائیں گے' کیونکہ یہ فطری بات ہے کہ سابق حکمرانوں کے خلاف رعایا میں انتقامی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا تدبیر یہ کی گئی کہ جاتے جاتے یہاں ایک ایسا قضیہ اور ایسا جھگڑا کھڑا کر دیا جائے کہ اس کی بنیاد پر یہ دونوں قومیں آپس میں لڑیں اور مریں' جبکہ دونوں ہمارے دوست رہیں۔ یہ بڑی گہری پالیسی تھی جو بہت گہری نفسیات پر مبنی تھی۔ انگریز کا یہ خیال تھا کہ اگر ان میں مفاہمت ہو جائے گی تو پھر یہ دونوں مل کر ایشیا کے اندر ایک بہت بڑی طاقت بن جائیں گے جس کا رخ ہماری طرف ہو سکتا ہے۔ چنانچہ باقاعدہ ایک بہت بڑی سازش کے تحت انہوں نے کشمیر کا مسئلہ پیدا کیا۔ جبکہ بدقسمتی سے ہمارا معاملہ میر کے اس شعر کا مصداق ہے کہ ؎

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

ہم نے یہ سمجھا کہ یہ مسئلہ یہی لوگ حل کرائیں گے' حالانکہ یہ خود ان کا پیدا کردہ ہے۔

بہرحال ان سب عوامل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ہندو نے اور کانگریس نے دو قومی نظریئے کے بارے میں تو برملا کہا کہ اسے ہم نے نہ پہلے کبھی تسلیم کیا ہے اور نہ اب تسلیم

کریں گے' ہاں پاکستان کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن پاکستان کو بھی انہوں نے اس امید میں بلکہ اس یقین پر تسلیم کیا تھا کہ یہ تھوڑے ہی عرصے میں تحلیل ہو جائے گا۔ ان کے نزدیک یہ اس قابل تھا ہی نہیں کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا اور اس کے لئے انہوں نے پورا بندوبست کیا۔ چنانچہ ہمارے وسائل اپنے قبضے میں روکے رکھے' ہمارے فنڈز روکے رکھے' ہمارے ہتھیار روکے رکھے۔ یہاں قائداعظم کے پاس تو مرکزی حکومت کے ملازمین کو تنخواہ دینے کے لئے ایک پیسہ تک نہیں تھا۔ وہ تو اللہ بھلا کرے سیٹھ آدم جی کا کہ انہوں نے بلینک چیک دے دیا تھا کہ آپ جتنی رقم چاہیں لکھ کر اسے کیش کرا لیں۔ تقسیم ہند کے وقت جو حالات پیدا کر دیئے گئے تھے ان کے پیش نظر ہندو کو پورا یقین تھا کہ یہ نوزائیدہ ملک پیدائش کے کچھ عرصہ بعد ہی دم توڑ دے گا۔ چنانچہ مسلمانوں سے مشرقی پنجاب جس طرح ہنگامی طور پر خالی کرایا گیا اور یہاں پر مہاجرین کا جس طرح سے ایک طوفان آیا' وہ اسی لئے تھا کہ پاکستان کی معیشت پر اتنا بوجھ پڑ جائے اور انتظامی اعتبار سے حکومت پاکستان پر اتنا دباؤ پڑ جائے کہ وہ مفلوج ہو جائے۔ یہ ایک ایسی حکومت تھی جس کے قدم ابھی جمے ہی نہیں تھے' جس حکومت کی کوئی سیٹ ہی نہیں تھی' پرانی آرمی بیرکس کے اندر حکومتی عہدے دار بیٹھے نظم ونسق چلا رہے تھے' کوئی دفاتر نہیں تھے' کوئی گورنمنٹ ہاؤس نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس حکومت پر آبادکاری کا اتنا بڑا بوجھ ایک دم آ جائے گا تو حکومت بیٹھ جائے گی۔ اس امید میں انہوں نے پاکستان کو تسلیم کیا۔ بہرحال یہ چار عوامل ہیں کہ جن سب نے مل ملا کر ابھی تک کشمیر کا مسئلہ حل ہونے میں رکاوٹ کھڑی کر رکھی تھی۔

مسئلہ کشمیر کے ضمن میں ہماری اپنی غلطیاں

بایں ہمہ اس مسئلہ کے ایک دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈال لیجئے' اس لئے کہ اس معاملہ میں کچھ غلطیاں یقیناً ہماری بھی ہیں۔ چنانچہ Self Assessment بھی کرنی چاہئے' ہمیں اپنا جائزہ بھی لینا چاہئے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام سے گریز

ہم سے جو غلطیاں ہوئی ہیں ان میں جو مہا غلطی یا جرم عظیم ہے' جسے اکبر الکبائر' معصیت کبریٰ یا ذنب عظیم کہنا چاہئے وہ یہ کہ ہم نے ملک خداداد پاکستان میں' جسے ہم نے اسلام کے نام پر قائم کیا تھا' اسلام قائم نہیں کیا بلکہ نفاذِ اسلام سے مسلسل گریز کیا' جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم اللہ کی مدد سے محروم ہو گئے۔ ہم نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور اللہ نے ہمارے دلوں میں منافقت پیدا کر دی۔ یہ بات میں سورۂ توبہ کی آیات ۷۵' ۷۶' ۷۷ کے حوالے سے کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ اللہ سے وعدہ کر کے اگر وعدہ خلافی کی جائے تو اس کی سزا جو آخرت میں ہوگی وہ تو ہوگی' دنیا میں اس کی سزا یہ ہے کہ دلوں میں نفاق پیدا کر دیا جائے۔ چنانچہ ہم میں وہ نفاق باہمی بھی پیدا ہوا کہ قوم قومیتوں میں تقسیم ہو گئی۔ مزید یہ کہ کردار اور اخلاق کا نفاق عملی پیدا ہوا اور صداقت' امانت اور ایفاء عہد کا جنازہ نکل گیا۔ یہ سب کچھ ہوا کہ نہیں ہوا؟ کیوں ہوا؟ اللہ تو ظالم نہیں ہے۔ یہ قوم ماضی میں کبھی پست قطعاً نہیں تھی' اخلاقی اعتبار سے بھی اتنی گری ہوئی قوم نہیں تھی۔ اس سے آگے بڑھ کر پھر اللہ تعالیٰ نے ۲۵ برس کی مہلت دینے کے بعد ہم پر اپنے عذاب کا کوڑا برسایا اور ہم کشمیر تو کیا لیتے' مشرقی پاکستان بھی کھو بیٹھے۔ یہ ہے وہ اکبر الکبائر' ہمارا ذنب عظیم' ہمارا سب سے بڑا جرم اور ہماری سب سے بڑی معصیت' یعنی اللہ کے ساتھ وعدہ خلافی۔ ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ﴾ ''پس اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق بٹھا دیا جو اس کے حضور ان کی پیشی کے دن تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا بسبب اس وعدہ خلافی کے جو انہوں نے اللہ کے ساتھ کی تھی اور بسبب اس جھوٹ کے جو وہ بولتے رہے۔'' غور کیجیے کہ اگر ہم نے اسلام پر عمل کیا ہوتا اور اس ملک میں اسلام کو نافذ کیا ہوتا تو پھر کیا ہوتا! اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہوتی۔ ہمیں ۱۹۶۵ء میں دکھا دیا تھا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ کشمیر ہمارا حق ہے اور اللہ ہمارے ساتھ ہے' ہمیں کسی کا کوئی ڈر نہ ہوتا۔ پھر اس یعنی

کم ہمتی اور بزدلی کا کیا سوال تھا؟ یہ ناممکن تھا۔ میں نے آغاز خطاب میں جن آیات کی تلاوت کی ہے ان میں ایک آیت سورہ آل عمران کی ہے: ﴿اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ﴾ ''(مسلمانو دیکھو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آئے گا۔'' ﴿وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ بَعْدِہٖ﴾ ''اور اگر اللہ ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے گا اس کے بعد؟'' ﴿وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ''اہل ایمان کو تو صرف اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔''

پھر یہ بات نہ ہوتی کہ ہم چھوٹے ہیں وہ بڑے' جیسے سورۃ البقرہ میں فرمایا: ﴿قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوا اللّٰہِ کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃًۢ بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾ ''کہا ان لوگوں نے جنہیں یقین تھا کہ انہیں اللہ کی خدمت میں حاضر ہونا ہے' اس سے ملاقات کرنی ہے کہ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ایک چھوٹی جمعیت کو ایک بڑی جمعیت پر فتح اور غلبہ حاصل ہوا ہے اللہ کے حکم سے۔'' ﴿وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝﴾ ''اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' اس صورت میں ہم کھلم کھلا الٹی میٹم دیتے کہ یہ ہمارا حق ہے' یا اس سے دستبردار ہو کر اسے ہمارے حوالے کر دو یا کھلے میدان جنگ کے اندر مقابلہ کرو۔ یہ وہ بات ہے جو مولانا مودودی مرحوم نے ۱۹۴۸ء میں کہی تھی اور ان کے خلاف اسی قسم کا طوفان اٹھا تھا جیسا طوفان آج کل میرے خلاف آپ نے اخبارات میں دیکھا ہوگا۔ انہوں نے جو بات کہی تھی وہ اصولی طور پر صد فی صد درست تھی' اگرچہ انطباق اور اطلاق کے اعتبار سے غلط تھی۔ میری یہ بات ذرا سمجھ لیجئے' میں چاہتا ہوں کہ اس کی وضاحت ہو جائے۔ مولانا مرحوم نے جو دلیل دی تھی وہ سورۃ الانفال کی اس آیت سے تھی جو میں نے آج آپ کو پڑھ کر سنائی ہے: ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْۢبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ۝﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے کسی خیانت کا اندیشہ ہو تو ان کے ساتھ اگر کوئی معاہدہ ہے تو وہ کھلم کھلا ان کے منہ پر دے ماریئے (پھر اقدام کیجئے)۔ بے شک اللہ تعالیٰ خیانت

کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

یہ نہیں کہ معاہدہ بھی قائم رہے' سفارتی تعلقات بھی قائم رہیں اور آپ اندر ہی اندر ان کے خلاف کوئی اقدام بھی کریں۔ یہ خیانت ہے اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام کا اپنا ایک اخلاق ہے۔ اسلامی حکومت دنیا کی مادہ پرستانہ حکومتوں کی طرح نہیں ہوتی۔ اس کی جنگ بھی ہے تو اخلاق کے تحت ہے' صلح بھی ہے تو اخلاق کے تابع ہے۔ دوستی بھی ہے تو اخلاق کے اصولوں کے مطابق ہے۔ دشمنی ہے تو وہ بھی اخلاق کے اصولوں کے مطابق ہے۔ یہ قرآن کا قانون ہے۔ مولانا مودودی کا موقف یہ تھا کہ ہم نے بھارت کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں' ہم نے انہیں کوئی الٹی میٹم بھی نہیں دیا ہے' اس کے باوجود اگر یہاں سے لوگ وہاں جا کر حملے کر رہے ہیں اور اسے جہاد سمجھ رہے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں' پاکستان کو چاہئے کہ کھلم کھلا اپنے حق کے لئے اعلان کرے۔ لیکن یہ بات اصولی اعتبار سے جتنی درست تھی' عملی اعتبار سے اتنی ہی غلط تھی۔ اس لئے کہ اسلام پر چلنے کا تو ہمارا ارادہ تھا ہی نہیں۔ اسلام تو ہمارے ہاں Frame of reference کے طور پر موجود ہی نہیں تھا۔ لہٰذا اس موقع پر اسلامی حکم کا تذکرہ کرنا گویا کہ بے محل تھا۔ جب ہماری پوری زندگی اسلام کے مطابق نہیں' ہمارے ہاں سارے قوانین وہی چل رہے ہیں جو ہمیں برطانیہ دے کر گیا تھا' ہمارا وہی جاگیرداری اور زمینداری نظام چل رہا ہے' ہمارا وہی سودی معیشت کا نظام چل رہا ہے' ہمارا سارا معاملہ جوں کا توں ہے تو اسلام کے ایک حکم کو اس طور سے لاکر نافذ کر دینا درحقیقت انطباق (application) کے اعتبار سے درست نہیں تھا۔

بہرحال اگر ہم واقعتاً یہاں اسلامی نظام قائم کرتے' اس ملک کو ایک اسلامی ریاست کا درجہ دیتے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ بھارت کیا بھارت کا باپ بھی ہمارے راستے میں حائل نہیں ہوسکتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال ہوتی۔

اگر اللہ پر ہمارا توکل ہوتا' ہمارا اللہ کے ساتھ خلوص کا رشتہ ہوتا تو اللہ کے بارے میں بھی ہمیں یقین ہوتا کہ وہ ہماری پشت پر ہے۔ اگر آپ اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں تو اللہ کی تدبیر آپ کے خلاف استعمال ہوتی ہے۔ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ﴾ ''یہ منافقین اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اللہ ان کو دھوکہ دیتا ہے''۔ یہ تو دوطرفہ معاملہ ہے۔ تم اللہ کے ساتھ خلوص اور اخلاص کا معاملہ کرو تو اللہ بھی تمہارے ساتھ خلوص و اخلاص اور محبت کا معاملہ کرے گا' ورنہ نہیں۔ اگر اللہ کی مدد و نصرت ہمارے شامل حال ہوتی تو ہمارا معاملہ ﴿ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ﴾ کا نہ ہوتا کہ ہم بھارت کو کھلم کھلا الٹی میٹم دینے کی ہمت ہی نہ کر سکیں۔ بلکہ ہم دوٹوک اعلان کرتے کہ کشمیر ہمارا حق ہے' یہ ہمارے حوالے کرو' ورنہ آؤ اور کھلے میدان میں جنگ کرو۔

اس ایک بڑی غلطی پر مستزاد' ہماری پانچ مزید چھوٹی غلطیاں ہیں۔ جو بڑی غلطی میں نے بیان کی ہے' جسے میں نے اکبرالکبائر' سب سے بڑی معصیت اور سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے اسے اگر ایک پلڑے میں ڈالیں اور وہ پانچ غلطیاں جو میں بیان کرنے چلا ہوں انہیں دوسرے پلڑے میں ڈالیں تو شاید وزن میں کچھ برابر ہو جائیں۔

(۱) ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں ہمارا موقف

تقسیم ہند کی تجویز جب زیر غور تھی تو ریاستوں کے بارے میں کانگریس کا موقف یہ تھا کہ ان ریاستوں کا مستقبل وہاں کے عوام طے کریں گے' لیکن ہم نے یہ موقف قبول نہیں کیا' بلکہ مسلم لیگ نے یہ بات طے کرائی کہ ریاستوں کے الحاق کا فیصلہ وہاں کے عوام نہیں' راجے' مہاراجے اور نواب کریں گے۔ اگر عوام کا معاملہ ہوتا تو کشمیر کے بارے میں دو رائیں کسی کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھیں۔ لیکن یہ اختیار اگر راجے کے پاس ہو تو راجہ ہری چند ایک ہندو ڈوگرہ تھا۔ یہ ہماری قیادت کی بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔ آخر ہماری قیادت معصوم تو نہیں تھی نا! مسلم لیگ کے اس موقف کی وجہ یہ تھی کہ

ہماری نگاہیں حیدرآباد دکن پر جمی ہوئی تھیں جو بہت ہی مالدار ریاست تھی اور وہاں پر ہیروں اور سونے کی کانیں تھیں۔ اس کے علاوہ جونا گڑھ اور مناور' کاٹھیاواڑ کے علاقے کی دو ریاستیں تھیں۔ حیدرآباد دکن کے عوام کی اکثریت بھی ہندوؤں پر مشتمل تھی اور جونا گڑھ' مناور کے عوام کی اکثریت بھی ہندوؤں پر مشتمل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے یہ موقف اختیار کیا کہ ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے عوام نہیں' حکمران کریں گے۔ کیونکہ ہمیں امید تھی کہ ان ریاستوں کے نواب پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کریں گے۔ لیکن ہمارا یہ موقف کشمیر کے مسئلے کو الجھانے کا سبب بن گیا۔

(۲) باؤنڈری کمیشن ایوارڈ کی پیشگی منظوری

یہ بھی ہماری بہت بڑی غلطی تھی کہ ہم نے باؤنڈری کمیشن یعنی ریڈکلف ایوارڈ کے بارے میں پہلے سے لکھ کر دے دیا کہ یہ جو فیصلہ کردیں گے ہمیں منظور ہوگا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ہماری قیادت کو یہ فیصلہ انتہائی مجبوری میں کرنا پڑا۔ اس لئے کہ ایسی روایات موجود ہیں کہ جب یہ بات چیت ہو رہی تھی تو آخری مرحلے میں قائداعظم شدید مغموم' رنجیدہ اور depress رہے۔ ان کے بارے میں غالباً اصفہانی صاحب نے کہا تھا کہ میں نے زندگی بھر قائداعظم کو کبھی اتنا غمگین' ملول اور رنجیدہ نہیں دیکھا جتنا ان دنوں میں دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر یہ نہیں مانو گے تو ٹھیک ہے' ہم پاکستان کی پوری سکیم ختم کرتے ہیں اور یک طرفہ طور پر پورا ہندوستان کانگریس کے حوالے کر کے چلے جاتے ہیں۔ تو مسئلہ یہ ہوگیا کہ یا تو اب یہ جو بھی کوئی زیادتی کریں' کوئی بھی کانٹ چھانٹ کریں اس کے تحت جو بھی پاکستان ملے وہ لے لیا جائے یا یہ کہ پورے پاکستان سے ہاتھ دھو کر بیٹھ جائیں۔ قائداعظم نے اُس وقت pragmatic انداز اختیار کیا' لیکن شدید صدمے اور شدید رنج کے ساتھ۔ میرے نزدیک یہ قائداعظم کی مجبوری بھی تھی اور پھر یہ کہ درحقیقت یہ اس برطانوی سازش کی ایک کڑی تھی جس کے تحت کشمیر کا مسئلہ پیدا کرنا مقصود تھا۔ اس کے لئے

بھارت کو کشمیر کا راستہ دینا تھا۔ چنانچہ باؤنڈری کمیشن نے بے ایمانی کر دی تھی۔ لہٰذا پہلے سے دستخط لے لئے تھے کہ جو بھی ایوارڈ ہو گا وہ آپ کو ماننا پڑے گا۔ قائداعظم نے اس کو شدید دباؤ میں قبول کر لیا تھا۔ لیکن بہر حال غلطی تو ہوئی اور کشمیر کا مسئلہ پیدا ہونے میں سب سے بڑا دخل اسی کا ہوا۔ اگر اس معاملے میں یہ بے انصافی نہ ہوتی اور یہ زمینی راستہ بھارت کو نہ مل گیا ہوتا تو ظاہر بات ہے کہ وہ کشمیر میں اپنی فوج بھیج ہی نہیں سکتا تھا۔ ہوائی جہازوں کے ذریعے کتنی فوج بھیجی جا سکتی تھی!

(۳) کشمیر میں فوجی کارروائی میں تاخیر

اسلام کے اصولوں کے مطابق ہمیں جو طرز عمل اختیار کرنا چاہئے تھا وہ تو ہم نے کیا نہیں، لہٰذا اس سے قطع نظر دنیا میں جو رواجی سیاست ہے اس کے اعتبار سے ہمارے لئے موقع تھا کہ ہم جھٹ پٹ اپنی فوجیں کشمیر میں داخل کر دیتے۔ بھارت کے لئے کشمیر میں فوجیں پہنچانا آسان کام نہیں تھا جبکہ ہمارے قبائلی وہاں داخل ہو چکے تھے۔ آزاد کشمیر، بلتستان اور گلگت میں لوگوں نے خود بغاوت کر کے ڈوگرہ فوج کو وہاں سے بھگا دیا تھا۔ چنانچہ حالات نہایت سازگار تھے۔ اگر ہماری طرف سے ذرا سی باقاعدہ Army Move ہو جاتی تو کشمیر ہمیں مل جاتا۔ لیکن یہ بھی نہیں ہو سکا۔ کیوں نہیں ہو سکا؟ اس لئے کہ ہمارے کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ گویا یہ برطانوی سازش کا تیسرا پہلو (aspect) تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فوجی کارروائی کے لئے حالات واقعتاً سازگار نہ ہوں کیونکہ ابھی ہمیں ہمارا فوجی ساز و سامان پورا نہیں ملا تھا اور ہماری مسلح افواج ابھی پورے طور سے مستحکم نہیں ہوئی تھیں۔ واللہ اعلم، لیکن گمانِ غالب یہی ہے کہ انگریز کمانڈر انچیف گریسی اس وقت سب سے بڑی رکاوٹ بنا تھا۔ ورنہ اگر وہاں پر باقاعدہ فوج کی کچھ نفری چلی گئی ہوتی تو کشمیر ہمارے پاس آ جاتا۔ یہ وہی معاملہ ہو جاتا جو بھارت نے حیدرآباد دکن، جونا گڑھ اور مناور میں کیا۔ لہٰذا ہم پر کوئی الزام بھی نہ آتا۔ ہم کہہ سکتے تھے کہ جو کچھ انہوں نے کیا

وہی کچھ ہم نے کیا۔ گویا یہ ''اد لے کا بدلہ'' والی بات تھی۔

(۴) ۱۹۶۲ء کی چُوک

دنیا کی جو رواجی سیاست اور طور طریقے ہیں اسی کے اعتبار سے ہمیں اللہ نے ۱۹۶۲ء میں ایک سنہری موقع دیا۔ جب بھارت کی چین کے ہاتھوں پٹائی ہو رہی تھی اور بھارت کانپ رہا تھا' ہانپ رہا تھا اس وقت اگر ہم کشمیر میں ذرا سا ایڈوانس کر لیتے تو کشمیر ہمیں مل جاتا۔ لیکن ہم نے تو اپنا آقا امریکہ بہادر کو بنایا ہوا تھا اور اس کی اجازت' اس کا این او سی ہمیں نہیں ملا۔ اس طرح ہم نے وہ سنہری موقع گنوا دیا' ورنہ اس وقت بہت ہی آسانی کے ساتھ کشمیر پر ہمارا قبضہ ہو سکتا تھا۔

(۵) ۱۹۶۵ء میں غلط حکمتِ عملی

اس ضمن میں پانچویں اور آخری بات یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء میں ہم نے بہت بڑی غلطی یہ کی کہ ابھی مقبوضہ کشمیر کی وادی میں جہادِ حریت کے لئے کوئی فضا ہموار نہیں کی گئی تھی اور ہم نے وہاں اپنے کمانڈوز داخل کر دیئے۔ یہ انتہائی نا اہلی اور غلط منصوبہ بندی کا مظہر تھا۔ اس قسم کی مہم کو اگر مقامی آبادی کی حمایت حاصل نہ ہو تو اس میں کیسے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے؟ یہاں سے ہمارے مجاہدین جو کشمیر کے اندر جاتے ہیں انہیں اگر وہاں مقامی سپورٹ نہ ملے تو یہ اپنی کارروائیاں کیسے کر سکتے ہیں؟ جہاد کشمیر تو مقامی طور پر ہی شروع ہوا تھا۔ پہلے کشمیریوں نے طے کیا تھا کہ ہم بھارت کے پنجہ استبداد سے آزادی کے لئے جہاد شروع کریں۔ اس کے بعد جو مجاہدین باہر سے وہاں گئے انہیں مدد بھی ملی' انہیں چھپایا بھی گیا' انہیں راشن بھی پہنچایا گیا۔ یہ سب کچھ ہوا ہے' مقامی آبادی نے انہیں پورے طریقے سے تحفظ دیا ہے۔ لیکن ۱۹۶۵ء میں وہاں یہ فضا نہیں تھی۔ چنانچہ ہم نے وہاں اپنے جو کمانڈوز داخل کئے وہ سب کے سب قتل ہوئے۔ یہ ایک بہت بڑی حماقت تھی۔ مزید یہ کہ پتہ نہیں کس نے وزیر خارجہ بھٹو کے ذریعے سے ہمارے فیلڈ مارشل ایوب صاحب کو یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ بھارت انٹرنیشنل باؤنڈری

عبور نہیں کرے گا' جبکہ بھارت نے لاہور پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ ثابت ہو گیا کہ سیاسی اعتبار سے بھی ہم سے غلطی ہوئی۔ ہمارے سارے اندازے بھی غلط نکلے' ہم نے فوجی منصوبہ بندی بھی غلط کی اور ہمارے سفارتی تعلقات بھی غلط ثابت ہوئے۔

یہ پانچ غلطیاں ہیں جو ہم سے ۱۹۶۵ء تک یکے بعد دیگرے ہوئیں۔ ۱۹۷۱ء کا میں تذکرہ نہیں کرنا چاہتا۔ وہ مسئلہ اصلاً مشرقی پاکستان کا تھا اور اس میں ہماری نااہلی اور سیاسی بے بصیرتی کا بھی ہاتھ تھا۔ ہماری اُس وقت کی جو قیادت تھی وہ شرابیوں اور زانیوں پر مشتمل تھی۔ وہ ایک علیحدہ داستان ہے۔ وہ تو اصل میں اللہ کے عذاب کا ایک کوڑا تھا جو ہماری پیٹھ پر پڑا اور بدترین شکست کی صورت میں کلنک کا ٹیکہ ہمارے ماتھے پر لگا' جس کے نتیجے میں ہمارا دایاں بازو کٹ کر ہم سے الگ ہو گیا۔

مسئلہ کشمیر — عالمی حالات و واقعات کے تناظر میں

یہ باتیں تو بڑی پرانی تھیں جو میں نے دہرائی ہیں۔ لیکن پچھلے چند سال کے دوران کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ جن سے کشمیر کا مسئلہ اب تازہ ہو کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اصل میں تو یہ مسئلہ جہاد افغانستان کے نتیجے میں تازہ ہوا۔ گویا یہ جہاد افغانستان کا fall out ہے۔ افغانستان میں جہاد کے نام پر جس جوش و خروش کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا اسی کو دیکھ کر ''خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے'' کے مصداق ایک تو کشمیر کے مسلمانوں میں بھی یہ جذبات ابھرے کہ آخر افغان بھی انسان ہیں جنہوں نے یہ کچھ کر کے دکھا دیا تو ہم کیوں نہ کر سکیں گے' دوسرے یہ کہ پوری دنیا سے جتنے مجاہدین افغانستان میں آئے ہوئے تھے انہوں نے بھی پھر کشمیر کے اندر داخل ہو کر ان کی پشت پناہی کی۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ میں اعلانِ لاہور سے شروع کرنا چاہتا ہوں۔ اسے میں کہتا ہوں کہ وہ نواز اور واجپائی کا آپس میں ''جپھا'' تھا' لیکن اس پر وسیس کو ہماری کارگل کی مہم نے ختم کر دیا۔ کارگل سے پھر ہمیں دم دبا کر بھاگنا پڑا۔ اس پوزیشن کو

اچھی طرح جان لیجئے! جہاں تک طاقت کا توازن ہے تو بھارت اور پاکستان کی جنگ اس حال میں کہ اللہ ہمارے ساتھ نہیں ہے، ہمارے حق میں نہیں جا سکتی۔ اس لئے کہ اگر مقابلہ ہوگا تو اسلحہ کا اسلحہ سے، افراد کا افراد سے، طاقت کا طاقت سے، گنتی کا گنتی سے اور مادی وسائل کا مادی وسائل سے ہوگا۔ اس اعتبار سے ہم ہرگز ہندوستان کے ساتھ جنگ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ تاہم اگر چھوٹی جنگ ہو، محدود علاقے میں ہو تو ہمارا پلڑا بھاری رہے گا۔ اس لئے کہ مسلمان فوجی میں جو جوش و خروش اور ذوقِ شہادت ہے وہ ہندو کے پاس تک نہیں پھٹک سکتا۔ لیکن ہم اپنے محدود وسائل کے ساتھ کسی بڑے پھیلے ہوئے محاذ پر sustained war کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس حوالے سے جب محسوس ہوا کہ کارگل کے مقابلے میں اب بھارت آل آؤٹ وار پر تل گیا ہے تو آپ کا وزیراعظم واشنگٹن کو بھاگا اور چھٹی کے روز جا کر کلنٹن سے درخواست کر کے ملاقات کا وقت لیا۔ کلنٹن نے بعد میں مذاق اڑاتے ہوئے کہا بھی کہ وہ میرے ساتھ فوٹو سیشن چاہتا تھا۔ یعنی وہ چاہتا تھا کہ میرے ساتھ ایک فوٹو کھنچوائے۔ اس طرح وہاں پاکستان کی عزت کا دھیلہ ہوا ہے۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ فوج کی مرضی کے بغیر گیا ہو۔ یہ بات غلط ہے۔ باقی رہا یہ خیال کہ آپ کے پاس ایٹمی ڈیٹرنٹ ہے تو دیکھئے آپ کے ڈیٹرنٹ کی بھی ایک محدود قدر (value) ہے۔ کسی کو اگر آپ دیوار سے لگا دیں اور وہ محسوس کر لے کہ اب آخری حد آ گئی ہے تو وہ بڑے سے بڑا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ ہمارے پاس ایٹم بم ہیں تو کیا بھارت کے پاس نہیں ہیں؟ ہم اس کے آٹھ دس شہر برباد کریں گے تو کیا وہ ہماری تکہ بوٹی نہ کر دے گا؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ پھر پاکستان کا وجود بھی باقی رہ جائے۔ لہٰذا جب مسئلہ آئے گا کہ واقعتاً اس کو استعمال کریں اس وقت سو دفعہ سوچنا پڑے گا۔ ہاں، جب تک وہ ایک ڈیٹرنٹ کی حیثیت سے رکھا ہے اس وقت تک اس کی بڑی اہمیت ہے۔

کارگل سے پسپائی کے بعد ہم اعلانِ واشنگٹن پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد نواز

حکومت کا خاتمہ ہوا اور جنرل پرویز مشرف چیف ایگزیکٹو بن کر آ گئے۔ اب وہ ہمارے چار ڈوبوں والے سربراہ ہیں۔ شروع میں جب یہ آئے تو انہوں نے بار بار گردان کی شکل میں مذاکرات کی رٹ لگائے رکھی۔ ''any where, any time,at any level'' لیکن شرط واحد یہ کہ کشمیر پر بات ہونی چاہئے۔ یہ ایک بہت صحیح موقف تھا۔ پالیسی کے اعتبار سے اس میں کوئی سقم نہیں ہے۔ لیکن بھارت کی طرف سے جواب میں انتہائی سختی کے ساتھ رد کیا گیا کہ ہرگز نہیں' پہلے سرحد پار دہشت گردی بند کرو۔ یعنی پاکستان سے جو مجاہدین آتے ہیں انہیں روکو' مقامی حریت پسندوں سے ہم نبٹ لیں گے۔ جب تک یہ نہیں کرتے کوئی گفتگو نہیں ہوگی۔ پہلے یہ بھی کہا جاتا رہا کہ ہم فوجی حکومت سے بات نہیں کریں گے' وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بھارت کے اس قدر پختہ موقف میں جو اچانک تبدیلی آئی ہے اس پر پوری دنیا حیران ہوگئی ہے۔ ہمارے اپنے سارے صحافی حیران ہیں۔ ارشاد احمد حقانی صاحب نے اس پر کئی کالم لکھے ہیں۔

بھارت کے رویئے میں موجودہ تبدیلی کے اسباب

بھارت کے رویئے میں یہ جو بہت ڈرامائی اور بڑی اچانک تبدیلی آئی ہے' اس کے بارے میں یہ سوچنا چاہئے کہ اس کے اصل اسباب کیا ہیں۔ اس کا اوّلین اور اہم ترین سبب تو جہاد کشمیر ہے۔ اس ضمن میں اوّل تو خود کشمیر کے اندر جو جہادِ حریت جاری ہے اور اس کو مزید تقویت دینے والی پاکستان کی جہادی تحریکوں کی طرف سے جس جوش وخروش' بے مثال بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کیا گیا ہے اور بے شمار جانوں کا نذرانہ پیش کیا گیا ہے' اس کی تاریخ میں بہت کم مثالیں ملیں گی۔ اس بارے میں میرا موقف اخبارات میں درست طور پر شائع نہیں کیا گیا اور یہ بات مجھ سے بالکل غلط طور پر منسوب کی گئی ہے کہ میں اسے جہاد نہیں کہتا۔ میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں اسے جہاد کہتا ہوں' جائز جہاد کہتا ہوں اور اس میں جانیں دینے والوں کو شہید کہتا ہوں۔ اس کی وضاحت میں آخر میں کروں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ جو موقع اس وقت پیدا ہوا ہے یہ انہی

مجاہدین کی قربانیوں کا' انہی کی محنتوں کا اور انہی کے جانیں دینے کا مرہونِ منت ہے' خواہ وہ کشمیری ہوں خواہ پاکستان یا کسی دوسرے ملک سے گئے ہوئے لوگ ہوں۔ اس جہاد کے نتیجے میں ہندوستانی فوج کا مورال گر چکا ہے اور اس پر تکان طاری ہو چکی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ انڈیا میں فوج ایک بالکل خالص غیر سیاسی ادارہ ہے۔ لیکن اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ فوج کا چیف اعلانیہ کہہ رہا ہے کہ کشمیر کے مسئلے کا فوجی حل ممکن نہیں' بلکہ اس کا سیاسی حل ہونا چاہئے اور اسے ''کچھ لو کچھ دو'' کے اصول کے تحت حل ہونا چاہئے۔ آرمی چیف کے اس برملا اعتراف سے معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ تھک بھی چکے ہیں اور سیاسی حل کے لئے ان کا ذہن آمادہ ہے اور وہ ''کچھ دو کچھ لو'' کے معاملے پر سوچنے کو تیار ہیں۔ واللہ اعلم! جہاد کے ضمن میں جیسا کہ میں نے عرض کیا' میری بات کو غلط انداز میں پیش کیا گیا۔ میں اسے آخر میں چند وضاحتوں میں پیش کروں گا۔

اس سے بھی زیادہ میرے نزدیک جو اہم عامل ہے وہ خارجی ہے۔ اس خارجی عامل کے بارے میں میرا ایک پورا فلسفہ ان حضرات کے سامنے ہے جو میرے جمعہ کے خطابات سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں۔ نیو ورلڈ آرڈر کے بارے میں آپ کو معلوم ہے کہ اصل میں تو یہ یہودی منصوبہ ہے جس کا مقصد پوری دنیا پر یہود کا اقتصادی اور مالیاتی تسلط قائم کرنا ہے' لیکن بظاہر یہ امریکہ کا منصوبہ ہے۔ موجودہ امریکی صدر بش کے باپ جارج بش نے خلیج کی جنگ کے بعد پہلی مرتبہ ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا نام لیا تھا۔ اس نے ایک تقریر میں ڈنکے کی چوٹ کہا تھا کہ اب نیو ورلڈ آرڈر کا آغاز ہو جائے گا۔ امریکہ کو نیو ورلڈ آرڈر کی راہ میں دنیا میں جو سب سے بڑی رکاوٹ نظر آتی ہے وہ چین ہے۔ لہٰذا اس وقت ''containment of China policy'' امریکی پالیسی میں کارنرسٹون کی حیثیت اختیار کر گئی ہے' جس کی وجہ سے وہ فارموسا کو بھی سپورٹ کر رہے ہیں اور انہیں طرح طرح سے ہتھیار بھی دے رہے ہیں۔ چین کے گھیراؤ کے لئے انہیں

ایک بہت بڑے آلۂ کار کے طور پر بھارت کی ضرورت ہے اور بھارت نے بھی آگے بڑھ کر اس حیثیت کو قبول کر لیا ہے۔ ایک طرف تو یہ سین ہے' دوسری طرف سین یہ ہے کہ چین اور پاکستان کا رابطہ بڑا قدیم بھی ہے اور گہرا بھی۔ ان کی دوستی وقت کے تقاضوں پر پوری اتری ہے اور اس وقت امریکہ بھارت گٹھ جوڑ کے ردعمل کے طور پر چین اور پاکستان کی قربت زیادہ ہو رہی ہے۔ چینی وزیراعظم زورانجی پاکستان کا دورہ کر کے گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ کھٹمنڈو گئے۔ یعنی چین بھی اب بھارت کا گھیراؤ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اس کے لئے اس کی کوشش ہے کہ وہ سارک ممالک کو اپنے زیر اثر لے آئے۔ چنانچہ امریکہ چائنہ کو encircle کرنے کی کوشش کر رہا ہے' لیکن چائنا بھارت کو encircle کرنے کی کوشش میں ہے۔ اس حوالے سے چین کے اثر و رسوخ کا خلیج تک پہنچ جانا گویا کہ امریکہ کے لئے ریڈ سگنل ہے۔ گوادر کے معاملے میں ہمارا معاملہ چین سے طے ہو چکا ہے کہ وہاں پر وہ ساحلی سڑک بھی بنائے گا اور بندرگاہ بھی تعمیر کرے گا۔ گوادر میں چین کی موجودگی کا مطلب اس کا خلیج کے دہانے پر قدم جما لینا ہے جو امریکہ بہادر کے لئے انتہائی پریشان کن بات ہے۔

اس ساری صورت حال کا نتیجہ کیا ہے؟ سب سے پہلی بات یہ کہ بھارت کو احساس ہوا ہے کہ وہ اپنے سب سے بڑے پڑوسی ملک کے ساتھ اپنے معاملات کو درست کرے۔ چھوٹے پڑوسی ممالک میں بھوٹان بھی ہے اور نیپال بھی۔ نیپال میں بھی آپ کو معلوم ہے کہ ماؤ تحریک کس قدر تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ بھات نے سازش کے ذریعے نیپال کا پورا شاہی خاندان اسی لئے مروا دیا ہے کہ وہ پرو چائنا نظریات کے حامل تھے اور وہاں پر وہ بادشاہ ''تعینات'' کیا گیا ہے جو پرو انڈیا ہے۔ بھوٹان اور نیپال کے علاوہ بھارت کے ہمسائے سری لنکا' پاکستان اور بنگلہ دیش ہیں۔ بنگلہ دیش کے ساتھ بھی اب بھارت کے تعلقات اتنے اچھے نہیں ہیں۔ ان کی فوجوں کی آپس میں سرحدی جھڑپیں ہوئی ہیں اور اب اندیشہ یہ بھی ہے کہ آنے والے الیکشن

میں شاید مجیب الرحمٰن کی بیٹی کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ سارے حالات ہیں کہ جن کے پیش نظر بھارت یہ سوچنے پر مجبور ہوا ہے کہ وہ اپنا ایک مصالحانہ کردار سامنے رکھے اور اس علاقے میں واقعتاً بڑا بھائی بن کر دکھائے۔ بڑا بھائی بننے کے لئے صرف سائز بڑا ہونا کافی نہیں ہے' وسعت ظرفی درکار ہے۔ بڑے کے دل میں چھوٹوں کے ساتھ کچھ شفقت' بھلائی' نیکی اور خیر خواہی کے جذبات ہوں گے تو اسے بڑا بھائی مانا جائے گا۔ چنانچہ بھارت کی خواہش ہے کہ کم از کم سارک کا جو پورا علاقہ ہے اس میں اس کی حیثیت بڑے بھائی کی تسلیم کی جائے اور اس کے لئے پڑوسی ممالک کو یہ باور کرایا جائے کہ یہ ہمارا دشمن نہیں ہے' بلکہ یہ تو سب کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس طرح یہ سب ممالک اس کے زیر اثر آ جائیں اور جس طرح مرغی اپنے پروں تلے اپنے بچوں کو چھپا لیتی ہے اسی طرح یہ اپنے اردگرد کے ممالک کو اپنے زیر اثر لا کر پھر بھرپور طریقے سے امریکہ کا آلہ کار بن کر چائنا کے مقابلے میں کھڑا ہو جائے۔

دوسرے اس کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ بھارت جب یہ حیثیت اختیار کر لے تو اسے سکیورٹی کونسل کی مستقل ممبر شپ دلوا دی جائے۔ سائز کے اعتبار سے تو وہ اس کا حق دار ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہاں دنیا کی قریباً ۱/۵ آبادی ہو گئی ہے۔ چائنا میں بھی دنیا ۱/۵ آبادی ہے اور بھارت میں بھی ۱/۵ انہیں تو ۱/۶ لازماً ہو گی۔ پھر وہ ایک ایٹمی طاقت ہے۔ اس نے ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکہ کر لیا تھا۔ لیکن چونکہ آس پاس کے ممالک کے ساتھ اس کے تعلقات درست نہیں ہیں اس اعتبار سے اسے اب تک سلامتی کونسل کا مستقل رکن نہیں بنایا گیا۔ لیکن اگر کسی طریقے سے حالات درست ہو جائیں تو گویا کہ اس کا امکان ہے۔

تیسری بات یہ کہ امریکہ کی پاکستان کے بارے میں پالیسی میں اوّلین ترجیح تو یہ ہے کہ پاکستان بھی بھارت کے زیر اثر ممالک میں شامل ہو جائے اور اس طرح چائنا سے بالکل دور ہو کر امریکہ کے گھڑے کی مچھلی بن جائے۔ یہ نہیں تو کم سے کم غیر جانبدار

ہو جائے۔ یہ بھی نہیں تو کم سے کم چین کے ساتھ دوستی میں مزید پیش رفت نہ کرے۔ یہ گویا کہ ہر حکومت کے اپنے اہداف ہوتے ہیں کہ اولین ترجیح یہ ہے کہ یہ نہیں تو یہ ہے' یہ بھی نہیں تو یہ ہے۔

مذاکرات سے وابستہ امیدیں

یہ ہے درحقیقت وہ داخلی اور خارجی پس منظر جس کی بناء پر یہ امید کرنے کے لئے کچھ بنیاد موجود ہے کہ شاید حکمتِ خداوندی میں مسئلہ کشمیر کے لئے ایک قابل عمل اور قابل قبول حل کی شکل پیدا ہو جائے۔ پچاس برس میں کبھی بھی یہ صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی جواب پاک بھارت سربراہ مذاکرات کے حوالے سے پیدا ہو چکی ہے اور پوری دنیا اس میں دلچسپی لے رہی ہے۔ آپ سی این این اور بی بی سی ٹیلی ویژن دیکھئے کہ پوری دنیا کی توجہ ان مذاکرات پر ہے۔ اسی پر سی این این سے دو گھنٹے کا پروگرام آج شام کو ہوگا' جبکہ مذاکرات تو ابھی کل ہوں گے۔ بین الاقوامی سیاست کے اعتبار سے ان مذاکرات کی بڑی اہمیت ہے۔ اور ان سارے معاملات کی وجہ سے کچھ امید پیدا ہوئی ہے۔ اگرچہ ہندوستان کی نصف صدی کی ہٹ دھرمی' اس کی پچھلی تاریخ' اس کی ذہنیت اور اس کے رویئے کے پیش نظر یہ اندیشہ ہے اور بہت سے لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ ان مذاکرات کا نتیجہ ''نشستند گفتند برخاستند'' سے زیادہ کچھ نہیں نکلے گا اور بھارت صرف یہی کہے گا کہ پہلے دوسرے معاملات پر بات کر لی جائے' کچھ confidence building measures اختیار کر لئے جائیں' تجارت شروع ہو جائے' سیاچین کا مسئلہ حل ہو جائے اور فلاں فلاں معاملات حل ہو جائیں' پھر جا کر کشمیر کے لئے بھی سوچ لیں گے۔ بہرحال ایک بات میں اختلاف نہیں ہوسکتا کہ اس کی دعا لازماً کرنی چاہئے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کی کوئی شکل بن جائے تاکہ یہ ناسور بہنا بند ہو جائے جس سے مسلسل پچاس برس سے خون اور پیپ بہہ رہا ہے۔ ان دونوں ملکوں کے بہترین وسائل اسلحہ کی دوڑ میں صرف ہو رہے ہیں اور یہ اسلحہ آگ برسا کر ختم ہو جاتا ہے اور اس سے

کسی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کم از کم اس کے حل کی کوئی ابتداء ہو جائے' کوئی سمت معین ہو جائے' کچھ ٹائم فریم طے ہو جائے' جیسا کہ ٹیلی ویژن پر گفتگوئیں ہو رہی ہیں۔ میرے نزدیک اس وقت اگر صرف دو کام بھی ہو جائیں تب بھی گویا یہ بڑی کامیابی ہوگی۔ اولاً یہ کہ بھارت تسلیم کر لے کہ ہاں کشمیر ایک متنازعہ علاقہ (Disputed Territory) اور متنازعہ مسئلہ ہے۔ اور ثانیاً یہ کہ ہم چھ مہینے میں اس کو حل کر لیں گے۔ اس سے اگلی کوئی بات ابھی نہ بھی ہو' لیکن یہ دو باتیں طے ہو جائیں تو اس کے ساتھ دوسرے چھوٹے مسئلے حل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔ مثلاً سیاچین کا مسئلہ ہو جائے یا کوئی اور ہو جائے۔ سیاچین بھی اس کے گلے میں بری طرح پھنسا ہوا ہے۔ اس پر اسے بے تحاشا خرچ کرنا پڑ رہا ہے اور اس کا بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان ہو رہا ہے۔ اس وقت سیاچین پر بھارت کو ہمارے مقابلے میں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ بہر حال ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ امن و سلامتی کی فضا پیدا ہو اور دونوں ممالک اپنے اپنے وسائل اپنی عوام کی بہبود اور فلاح کے لئے وقف کر سکیں!

مسئلہ کشمیر کا ممکنہ قابل عمل حل

اب میں اپنے موضوع کے آخری حصے پر بات کروں گا کہ مسئلہ کشمیر کا ممکنہ قابل عمل اور قابل قبول حل کیا ہوگا' یعنی ایسا حل جو قابل عمل بھی ہو اور پاک بھارت دونوں کے لئے قابل قبول بھی ہو۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اس ضمن میں بہت عرصہ پہلے تھرڈ آپشن کی بات شروع ہوئی تھی۔ سب سے پہلے یہ بات برطانیہ میں سردار عبدالقیوم صاحب نے کہی تھی کہ تھرڈ آپشن بھی ممکن ہے' جس پر اُن کی بڑی درگت بنائی گئی تھی اور ان کے اس بیان پر بڑی لے دے ہوئی تھی۔ نوائے وقت نے بھی ان پر شدید تنقید کی تھی کہ یہ تھرڈ آپشن کی بات کہاں سے آ گئی! اس کے کچھ عرصے بعد میاں نواز شریف صاحب نے تھرڈ آپشن کی بات کی تھی۔ وہ اگرچہ نوائے وقت کا اپنا آدمی تھا لیکن چونکہ نوائے

وقت کا معاملہ یہ ہے کہ ان مسائل پر اس کے ہاں کوئی لچک نہیں پائی جاتی' دوستی وغیرہ اپنی جگہ پر ہے لیکن ان معاملات میں اس کا موقف بڑا پختہ ہے' لہٰذا نوائے وقت میں نواز شریف پر بھی شدید تنقید کی گئی۔ پھر ہمارے علم میں یہ بات آئی کہ پچھلے دس پندرہ سال کے دوران کشمیر میں لائن آف کنٹرول کے دونوں طرف' یعنی ہمارے کشمیر میں بھی اور انڈین کشمیر میں بھی' ایک رائے یہ بھی پیدا ہو رہی ہے کہ کشمیر کو آزاد اور خودمختار ہونا چاہئے۔ اس کے لئے باقاعدہ تحریک چلی اور جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ (JKLF) نے تو ایک مرتبہ کنٹرول لائن کو توڑنے کی جدوجہد بھی کی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ہم نہ بھارت سے الحاق چاہتے ہیں نہ پاکستان سے' بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمارا آزاد و خودمختار کشمیر ہو اور پورے کا پورا ہو۔ پاکستان سے گلگت' بلتستان اور آزاد کشمیر بھی واپس لیا جائے اور بھارت سے اس کا جو مقبوضہ کشمیر ہے پورا واپس لیا جائے اور اس سارے علاقے کو ایک آزاد ریاست کا درجہ دیا جائے۔

سب سے بڑی بات یہ کہ ایک وقت میں یہ محسوس ہوا کہ دنیا کی واحد سپریم پاور امریکہ کی سکیم یہی ہے کہ خودمختار کشمیر وجود میں لایا جائے۔ اس کے لئے امریکہ کی اسسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ فار ساؤتھ ایشیا رابن رافیل' جو کہ یوں سمجھ لیجئے کہ نائب وزیر خارجہ برائے ساؤتھ ایشیا ہے' نے برملا یہ بیان دیا کہ ہم پاکستان سے گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر بھی واپس لیں گے' ہندوستان سے جموں کشمیر' لداخ اور وادی لیں گے' مزید برآں پاکستان نے ایک زمانے میں لداخ کا کچھ علاقہ جو چین کو دے دیا تھا' وہ بھی واپس لیں گے اور یہاں ایک آزاد ریاست قائم کی جائے گی۔ اسی زمانے میں بھارت کے وزیر داخلہ نے لوک سبھا میں یہ کہا تھا کہ کشمیر کے معاملے میں امریکہ کی اپنی نیت خراب ہو چکی ہے۔ اور وہ نیت کی خرابی یہی تھی۔ اس وقت ظاہر ہے کہ امریکہ کی بھارت کے ساتھ ابھی دوستی کی یہ پینگیں بڑھنی شروع نہیں ہوئی تھیں' بھارت اپنی آزادی کو کچھ نہ کچھ ascertain کر رہا تھا' لہٰذا امریکہ کو ضرورت تھی کہ ہارٹ

آف ایشیا میں ایک ایسا علاقہ وجود میں آ جائے جو اس کے زیر اثر ہو۔ اس کی سوچ یہ تھی کہ کشمیر ایک غریب ملک ہے اور میرے پاس دولت کے وسائل بے انتہا ہیں اور دولت بڑے بڑے کام کر سکتی ہے' لوگوں کی ذہنیت کو بدل سکتی ہے' سوچ کو بدل سکتی ہے' لوگوں کی رائے کے اندر انقلاب لا سکتی ہے' لہٰذا یہاں کے لوگوں کو سونے میں تول کر ہم کشمیر میں اپنا اڈا بنا لیں گے۔

اس طرح گویا ایک نیا اسرائیل وجود میں آ جائے گا جو ایک طرف بھارت کو کنٹرول کرے گا' دوسری طرف چائنا کے سر پر بیٹھا ہو گا' تیسری طرف پاکستان کی گردن پر سوار ہو گا' چوتھی طرف واخان کی پٹی کے حوالے سے اس کا تعلق افغانستان کے ساتھ ہو گا اور پانچویں طرف وہ وسطی ایشیا کی ریاستوں کو بھی مانیٹر کر سکے گا۔ یوں سمجھئے کہ امریکن ڈپلومیسی کے لئے اس سے زیادہ گولڈن چانس کوئی تھا ہی نہیں۔ اگر کسی طریقے سے مجاہدین کی قربانیوں کا یہ نتیجہ نکلتا تو کیا ہوتا! بھارت پاکستان کو تو کشمیر دینے سے رہا' وہاں کے جہادِ حریت سے گھبرا کر اور تنگ آ کر وہ یہ کر سکتا تھا کہ اسے یو این او کی جھولی میں ڈال دے۔ جیسے کبھی برطانیہ کی جھولی میں فلسطین آ گیا تھا لیگ آف نیشنز کے مینڈیٹ کے ذریعے سے' اسی طرح اگر یہ کہیں یو این او کے مینڈیٹ میں آ جاتا تو گویا کہ امریکہ کی جھولی میں آ جاتا اور اس طرح وہاں پر ایک بہت بڑا اسرائیل ہارٹ آف ایشیا کے اندر وجود میں آ جاتا۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ یہ نقشہ اب تبدیل ہو چکا ہے۔ اب امریکہ کے پیش نظر چین کے گھیراؤ کی پالیسی ہے اور اسی غرض سے صدر کلنٹن کے زمانے میں بھارت اور امریکہ کی دوستی کی پینگیں علی الاعلان بڑھنی شروع ہو گئی تھیں۔ چنانچہ کلنٹن بھارت کا پانچ دن کا دورہ کر کے گیا تھا جو درحقیقت اس چیز کی علامت تھی کہ دونوں ملکوں کے مابین دوستانہ تعلقات وجود میں آ چکے ہیں۔ اس سے پہلے مختلف محکموں میں' مختلف جگہوں پر' مختلف سطحوں پر نامعلوم کتنی کھچڑیاں پک چکی ہوں گی۔ اس کے بعد سے صورتِ حال تبدیل ہوئی ہے۔

مسئلہ کشمیر کا دوسرا حل وہ ہے جو کہ دنیا کے سامنے تو سب سے پہلے جنوری ۲۰۰۰ء میں یعنی ڈیڑھ سال پہلے آیا تھا اور یہ تجویز ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک کی طرف سے آئی تھی کہ کشمیر کے مسئلے کا حل یہ ہے کہ اسے تقسیم کر دیا جائے۔ آزاد کشمیر' بلتستان اور گلگت پاکستان کے پاس رہیں جیسے کہ اب ہیں' جبکہ جموں لداخ وغیرہ غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت کو دے دیئے جائیں اور وادی کے اندر آزاد ریاست قائم کر دی جائے۔ بعد میں آپ کے علم میں ہوگا کہ خلیج ٹائمز نے تو باقاعدہ یہ خبر شائع کی تھی کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے اور اندر خانے گویا کہ ٹریک ٹو ڈپلومیسی وغیرہ کے نتیجے میں یہ بات طے ہو چکی ہے اور صرف اس کی تفصیلات طے ہونا باقی ہیں۔ بہت سے اور گوشوں سے بھی یہ بات آئی کہ یہ حل اس وقت زیر غور ہے۔ میں نے بھی اس کی تائید کی۔ لیکن میں جو بات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ میری یہ رائے کم از کم دس سال پرانی ہے اور اس کا کوئی تعلق نہ ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک سے ہے اور نہ اس تو اس کے ڈانڈے کسی ٹریک ٹو ڈپلومیسی سے ملتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اقتدار کے ایوانوں میں تو میری آمد و رفت ہے ہی نہیں' نہ صحافیانہ حلقوں میں میری آمد و رفت ہے۔ یہ میری آزادانہ سوچ تھی اور بہت پہلے سے تھی اور کم سے کم ۱۹۹۵ء سے تو میری یہ رائے ریکارڈ پر موجود ہے۔ میں نے ۱۹۹۵ء میں ایک پریس کانفرنس میں بیان دیا تھا کہ میرے نزدیک اس مسئلے کا حل یہ ہے اور اس کے سوا کوئی قابل عمل اور قابل قبول صورت موجود نہیں ہے۔ البتہ جب ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک کی رپورٹ آئی تھی تو میں نے اس کی تائید کی تھی۔ اب پھر چند روز پہلے اپنی ایک پریس کانفرنس میں میں نے اپنی اسی رائے کا اعادہ کیا ہے جو کم سے کم دس سال پرانی ہے اور یوں سمجھئے کہ قریباً چھ سال پہلے کا تو دستاویزی ثبوت بھی میرے پاس موجود ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہتا ہے تو کہتا رہے کہ صاحب آپ یہ امریکہ سے سیکھ کر آئے ہیں یا یہ کہ چونکہ چوہدری شجاعت صاحب امریکہ سے آئے تھے تو شاید انہوں نے آ کر میرے کان میں پھونک ماری

ہے۔ بہر حال ہماری آج کل کی صحافت کا جو معیار ہے تو جس قسم کے سوالات مجھ سے پریس کانفرنس میں کیے گئے اور جس انداز سے اخباری رپورٹنگ کی گئی اس سے ایک سوءظن کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے۔

دیکھئے اس معاملے کے دو حصے ہیں۔ منفی طور پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس مسئلہ کا جو حل بھی ہو وہ یو این او اور امریکہ سے ورے ورے ہونا چاہئے۔ اس پر ان دونوں کا سایہ تک نہیں پڑنا چاہئے۔ ان دونوں کا سایہ اگر پڑ گیا تو ہوسکتا ہے کہ خودمختار کشمیر کی جو ایک پرانی خواہش تھی اور جو دب گئی تھی وہ کہیں دوبارہ جاگ جائے۔ آپ اپنے ملک کے اندر دیکھیں' خودمختار کشمیر سے متعلق کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ محمد اسحاق عباسی صاحب کی لکھی ہوئی کتاب یہیں لاہور میں اچھرہ سے چھپی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پاکستان بھی غاصب ہے کہ ہمارے کشمیر کا ایک حصہ اس نے غصب کیا ہوا ہے اور ہندوستان بھی غاصب ہے۔ ایسے لوگوں کے خلاف بیان دینے والا کوئی نہیں ہے؟ ان پر تنقید کرنے والا کوئی نہیں؟ ہارٹ آف پاکستان لاہور میں بیٹھ کر یہ باتیں ہو رہی ہیں اور کھل کر ہو رہی ہیں۔ میں مختلف مواقع پر آزاد کشمیر گیا ہوں اور وہاں کے لوگوں کی باتیں جو کچھ سن کر آیا ہوں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں پر ایک ایسی فضا موجود ہے۔ کسی بھی وقت امریکہ یہ سوچ سکتا ہے کہ اگر ہمارا وہی دیرینہ خواب پورا ہو رہا ہے تو کیوں نہ اسی کو پورا کر لیا جائے۔ لہٰذا اگر مسئلہ کشمیر کو یو این او کے ذریعے یا اس کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا پورا پورا امکان موجود ہے۔ اگر ان قراردادوں پر عمل شروع ہوا تو ہمیں آزاد کشمیر' بلتستان اور گلگت سے اپنی فوجیں نکالنی پڑیں گی جبکہ بھارت کشمیر میں کچھ نہ کچھ فوج رکھ سکے گا۔ اگرچہ اکثر و بیشتر فوج اسے بھی نکالنی پڑے گی۔ ہم تو ایک سپاہی بھی نہیں رکھ سکتے۔ اور اس کے بعد آخر کچھ وقت لگے گا۔ ریفرنڈم کوئی دو دنوں میں تو نہیں ہو جاتا۔ اس عرصے میں ان بین الاقوامی سازشیوں کو پورا موقع مل جائے گا کہ خودمختار کشمیر کے حق میں فضا ہموار کریں

اور اس کے حق میں ایک مضبوط لابی کو سپورٹ دے کر آگے لے آئیں۔ اس طرح آپ کو موجودہ آزاد کشمیر سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے اور یہ پاکستان کے لئے موت ہوگی۔

آپ کشمیر کو اپنی شہ رگ قرار دیتے ہیں۔ یہ بجا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں اس وقت آپ کی اصل شہ رگ شاہراہ ریشم ہے۔ یہ کٹ گئی تو چائنا کے ساتھ تعلق ختم ہونے کے بعد آپ کا دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ دنیا میں ایک ہی تو ملک ہے جس کے ساتھ آپ کی دوستی ہے۔ اور اگر پورا کشمیر خود مختار بن جاتا ہے تو پھر یہ بلتستان' گلگت اور ہنزہ کے ذریعے آپ کا چائنہ کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ تو میرے نزدیک میری تجویز کا منفی حصہ یہ ہے کہ اس حل پر کہیں امریکہ یا یو این او کا سایہ بھی نہیں پڑنا چاہئے۔ یہ مسئلہ باہمی مذاکرات سے حل ہونا چاہئے۔ چوہدری شجاعت حسین صاحب کا بیان آیا ہے کہ کچھ مسلمان ممالک بیچ میں ثالثی کا کردار ادا کریں۔ مثال کے طور پر ایران کے بھارت کے ساتھ بھی اچھے تعلقات ہیں۔ چوہدری صاحب نے کہا تھا کہ اس معاملے میں لیبیا بھی مصالحانہ کردار ادا کرنے کو تیار ہے۔ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں' مگر امریکہ اور اقوام متحدہ دونوں سے دور رہے۔

اس ضمن میں مثبت بات یہ ہے کہ میرے نزدیک یو این او کے عزائم سے قطع نظر پہلا مسئلہ یہ ہے کہ تقسیم ہند کی جو روح تھی اور اس کا جو اصل الاصول تھا' مسئلہ کشمیر کا حل اس کے مطابق ہونا چاہئے۔ تقسیم ہند کی اصل روح اور تقسیم ہند کا اصل الاصول' جیسا کہ میں نے شروع میں بیان کیا تھا' یہ تھا کہ مسلم اکثریت کے جو ملحقہ علاقے ہوں وہ پاکستان میں شامل کئے جائیں' جبکہ غیر مسلم اکثریت کے ملحقہ علاقے ہندوستان میں شامل ہوں۔ اس اصول کے مطابق ظاہر بات ہے حق تو یہ ہے کہ پورا کشمیر پاکستان کو ملے۔ زیادہ سے زیادہ استثناء لداخ اور جموں کے غیر مسلم اکثریت کے ان اضلاع کا ہو سکتا ہے کہ جو ہماچل پردیش یا بھارتی پنجاب کے ساتھ ملحق ہیں' وہ علاقے بھارت کو

دے دیئے جائیں۔ باقی پورا کشمیر وادی سمیت پاکستان کو ملنا چاہئے۔ یہ ہمارا حق ہے۔ البتہ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ اس کے لئے بھارت کا تیار ہونا تقریباً ناممکن ہے کہ اس طرح پلیٹ میں رکھ کر وہ کشمیر آپ کو دے دے۔ ظاہر ہے کہ اس کی بھی پچاس باون سال کی ایک تاریخ ہے اور اس عرصے میں اس نے اپنی رائے عامہ کے ذہن کے اندر بہت کچھ زہر گھول رکھا ہے۔ چنانچہ ان کو کچھ نہ کچھ دائیں بائیں دیکھنا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے جو قابل عمل شکل ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کے پاس آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان کے علاقے رہیں۔ ان کا علیحدہ سٹیٹس ختم کر کے انہیں صوبوں کی شکل دے کر پاکستان کے اندر ضم کر دیا جائے۔ لداخ اور جموں کے وہ علاقے جہاں غیر مسلم اکثریت ہے وہ بھارت میں ضم ہو جائیں۔ جبکہ وادی کے علاوہ لداخ اور جموں کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں استصواب کرا لیا جائے۔ اس استصواب میں البتہ ایک تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے۔ اگرچہ میرے نزدیک وادی کے لوگوں کی بڑی اکثریت خود مختاری کے حق میں نہیں ہے، مجھے یقین ہے کہ اگر استصواب ہوگا تو نوے فیصد پاکستان کے حق میں رائے دیں گے لیکن آپ امکان کو تو رد نہیں کر سکتے۔ ایک لابی بہر حال موجود ہے جس کی ایک رائے ہے۔ اگر ان کے پاس اکثریت ہے تو وہ بھی سامنے آ جائے۔

پاکستان ٹائمز کے ۱۸ جون ۱۹۴۷ء کے شمارے کے فرنٹ پیج پر قائداعظم کا یہ بیان جلی سرخی کے طور پر شائع ہوا تھا:

States can choose to be independent, option not limited to Hindustan or Pakistan.

چنانچہ یہ تھرڈ آپشن کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خارج از امکان ہو۔ اس لئے کہ تقسیم ہند کے وقت مسلم لیگ کے موقف میں تھرڈ آپشن کی بات بھی موجود تھی۔ لیکن واضح رہے کہ یہ تھرڈ آپشن کل کشمیر کے لئے نہیں، صرف وادی کے لئے ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس وادی کا کوئی خاص تعلق چائنا کے ساتھ جڑتا بھی نہیں اور یہ "Encirclement of

"China کا ذریعہ بھی نہیں بن سکتا۔ اگرچہ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں' مجھے نوے فیصد یقین یہی ہے کہ استصواب کا نتیجہ پاکستان کے ساتھ الحاق ہی کی صورت میں نکلے گا۔ تاہم اگر تھرڈ آپشن ہو تو اس میں یہ شرط ہونی چاہئے کہ اس طرح جو ''آزاد کشمیر'' وجود میں آئے گا اس کو اندرونی طور پر تو مکمل آزادی ہو لیکن اس کی بیرونی پالیسی کو پاکستان اور بھارت دونوں اس طور سے کنٹرول کریں کہ کوئی تھرڈ پاور وہاں قدم نہ جما سکے۔ یہ بات میں نے پچھلے سال کہی تھی۔ اور اس وقت تک میرے علم میں نہیں تھا کہ ایسا کوئی معاملہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ میں نہ تو پولیٹکل سائنس کا طالب علم ہوں اور نہ کوئی دستوری ماہر ہوں۔ لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ہندوستان کی ایک بڑی شخصیت سید شہاب الدین جو کبھی انڈین فارن سروس کے صف اول کے آفیسرز میں سے تھے' پھر سیاست کے میدان میں آئے اور بہت طویل عرصے تک ممبر پارلیمنٹ رہے' اور مسلمانوں کے لیڈروں میں سے نمایاں لیڈر ہیں' مسلم انڈیا کے نام سے ایک انتہائی اہم ماہنامہ بھی نکالتے ہیں جس میں تمام ہندوستان کے مسلمانوں سے متعلق پوری پوری دستاویزات شائع کی جاتی ہیں اور اس طرح اس کے اندر ایک ریکارڈ ریفرنس لائبریری بن رہی ہے' انہوں نے مجھے خط لکھا کہ آپ نے جو یہ تجویز دی ہے یہ بہت صحیح ہے' اور انہوں نے اس کی ایک مثال بھی دی۔ انہوں نے کہا کہ یہی انتظام درحقیقت دنیا میں ایک ملک Andorra میں اب بھی موجود ہے۔ میرے علم میں یہ بات نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے تحقیق کی' اٹلس دیکھے تو معلوم ہوا کہ پائرینیز ماؤنٹینز جو فرانس کو ہسپانیہ سے علیحدہ کرتے ہیں ان کے دامن میں یہ ایک چھوٹا سا ملک ''انڈورا'' ہے۔ یہ ملک فرانس کے شہنشاہ Charlemagne نے 803ء میں مسلمانوں سے چھینا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حکومت پورے ہسپانیہ پر تھی۔ بعد میں جب ہسپانیہ کے کچھ اور علاقے بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے تو ہسپانیہ نے دعویٰ کیا کہ یہ ہمارا علاقہ ہے۔ اس طرح اس کے دو دعوے دار ہو گئے' فرانس بھی اور ہسپانیہ بھی۔ چنانچہ اس پر سات سو برس

سے ان دونوں کا ایک مشترکہ کنٹرول موجود ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ وادی کی خودمختاری کی صورت میں اس پر پاکستان اور بھارت کا مشترکہ کنٹرول ہو اور پاکستان اور بھارت کے درمیان مفاہمت کی فضا میں یہ طے کر لیا جائے کہ یہاں کسی تیسری طاقت کو قدم جمانے کا موقع نہیں ملے گا۔

میرے نزدیک کشمیر کا مسئلہ تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کی تکمیل کے لئے ایک شق ہے۔ تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کی ایک اور شق بھی ہے جو ہنوز تشنۂ تکمیل ہے اور وہ یہ کہ مبشر پاکستان' مفکر پاکستان' مصور پاکستان علامہ اقبال مرحوم اور بانیٔ پاکستان' مؤسس پاکستان' معمار پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم دونوں نے یہ تصور دیا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات نہایت گہرے اور دوستانہ ہونے چاہئیں۔ علامہ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبے میں پہلی مرتبہ یہ تصور پیش کیا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو۔ اس خطبے میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ وہ ریاست ہندوستان کی محافظ ہوگی اور واقعتاً یہ محافظ ثابت ہوئی ہے۔ اگر پاکستان نہ بنتا تو ہندوستان میں کمیونزم کے سیلاب کو کوئی نہیں روک سکتا تھا جو پورے ہندوستان کو بہا کر لے جاتا۔ روس کی طرف سے وہ سیلاب جس شدومد سے آیا' ہندوستان اس میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتا۔ یہ تو پاکستان کی روک تھی کہ جس نے اس سیلاب کو روکا اور اس طرح بھارت کی حفاظت کی۔ پھر جب قائداعظم سے پوچھا گیا کہ پاکستان اور بھارت کے تعلقات کیسے ہوں گے تو فرمایا کہ جیسے کینیڈا اور یو ایس اے کے ہیں۔ یہ صورت حال بھی ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ چنانچہ یہاں پر وہ صلح و آشتی کی فضا پیدا ہونی چاہئے۔

صلح و آشتی کی فضا میں ہمارے لئے ایک کردار ہے جو ہمیں ادا کرنا ہے اور وہ داعیانہ کردار ہے۔ ہمارے پاس ایک نظام ہے' ایک نظریہ ہے۔ بھارت کے پاس کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں! بھارت تو مغرب کا اندھا مقلد ہے۔ مغرب کی وہ تہذیب کہ جو خود

اپنے خنجر سے خودکشی کر رہی ہے' بھارت کے پاس بھی وہی کچھ ہے۔ ہمارے پاس ایک نظریہ ہے' ایمان ہے' قرآن ہے۔ ہمارے پاس اسلام ہے' عادلانہ نظام ہے۔ ہم سے سب سے بڑی کوتاہی جو ہوئی جس کو میں نے آغاز خطاب میں سب سے بڑا جرم' اکبر الکبائر قرار دیا تھا کہ ہم نے یہاں اسلام نافذ نہیں کیا۔ پہلے تو ہم یہاں اسلام نافذ کریں تاکہ یہ لائٹ ہاؤس بنے' جو قائداعظم نے کہا تھا کہ ہم پوری دنیا کے لئے روشنی کا ایک مینار بنانا چاہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ سب سے پہلے بھارت کے ہندوؤں کو قرآن کی انقلابی دعوت سے فتح کرنا ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے ہندوستان میں بیس کروڑ مسلمان بستے ہیں اور یہ تعداد آپ کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ وہاں ہر جگہ اردو زبان سمجھی جاتی ہے۔ پوری دنیا کے اندر آپ کو کہیں ایسا علاقہ نہیں ملے گا۔ وہاں ہندوؤں میں آپ قرآن کی دعوت پھیلا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ جہاں تک ہندو کلچر کا تعلق ہے وہ تو اب بھی آ رہا ہے' ویڈیو کے ذریعے سے آ رہا ہے۔ ٹیلی ویژن اور کیبل کے ذریعے سے آ رہا ہے' انٹرنیٹ کے ذریعے سے آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کو معلوم ہے سونیا گاندھی نے یہ کہا تھا: "We have already conquered Pakistan." ـــــ جا کر دیکھ لیجئے' کراچی کے اندر ویڈیو کی دکانیں انڈین فلموں سے بھری ہوئی ہیں۔ لیکن ہماری طرف سے اسلام کی دعوت وہاں نہیں جا سکتی۔ اسلام کا پیغام وہاں نہیں جا سکتا۔ اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ دشمنی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری دشمن قوم کا مذہب ہے۔ اس دشمنی کی فضا کچھ کم ہو تو دعوت کی راہ ہموار ہو۔ اگر ایک ہندو کمیونسٹ ہو سکتا ہے تو وہ اسلام کے نظام کو کیوں نہیں قبول کر سکتا؟ مجھے تو پورا اعتماد ہے کہ اگر یہ راستے کھلیں اور اسلام کی دعوت پر وہاں پہنچائی جائے تو ان شاء اللہ العزیز ہندوؤں کے اندر بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کھلے ذہن سے سوچیں گے۔

پریس کانفرنس کی غلط رپورٹنگ کے ضمن میں چند وضاحتیں

آخر میں میری پریس کانفرنس کی غلط رپورٹنگ کے ضمن میں چند چھوٹی چھوٹی

وضاحتیں ہیں۔

(۱) پریس کانفرنس میں مجھ سے ایک بات یہ کہی گئی تھی کہ آپ کو کسی باؤلے کتے نے کاٹا ہے جو آپ خواہ مخواہ ''آ بیل مجھے مار'' کے مصداق اس معاملے میں پڑ رہے ہیں۔ دیکھئے' میں نے بارہا کہا ہے کہ میرا اصول ''الدین النصیحة'' ہے۔ میں سیاسی آدمی نہیں ہوں' تنظیم اسلامی سیاسی جماعت نہیں ہے' لیکن میں اس ملک کی بہتری اور اسلام کی بہتری کے لئے سوچتا ہوں' غور کرتا ہوں اور میری جو رائے ہوتی ہے وہ دیتا ہوں۔ مجھے اس کی فکر نہیں ہوتی کہ کسی کو اچھی لگے گی یا بری۔ میرے نزدیک جو حق ہے اسے میں بیان کرتا ہوں اور اس میں الحمد للہ میں نے کبھی کوئی compromise نہیں کیا۔ مجھے ٹیلی فون پر دھمکیاں بھی مل رہی ہیں۔ لیکن مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مجھ پر ایسے بہت سے مراحل آئے ہیں کہ مجھے دھمکیاں دی گئی ہیں۔ میں بہرحال اسے اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میرے سامنے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مثال ہے جنہوں نے دہلی کے ایک حجرے کے اندر بیٹھے ہوئے پورے ہندوستان کا جائزہ لے لیا تھا کہ سارے ہندوستان میں مرہٹہ قوت کا مقابلہ کرنے والی کوئی مسلمان قوت موجود نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو خط لکھ کر ہندوستان بلایا۔ میں انہی کے خادموں میں سے ہوں' ان کے قدموں کی خاک کے برابر ہوں۔ میں اگرچہ سیاسی میدان میں نہیں ہوں' لیکن ملک اور اسلام کی بہتری کیلئے میری جو بھی رائے دیانتاً ہو وہ مجھے پیش کرنی ہے۔

(۲) جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر کے بارے میں جان لیجئے کہ میں نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ جہاد حریت بھی ایک جائز جہاد ہے اور اس میں جو مسلمان جان دیتا ہے تو اسے شہادت ملتی ہے۔ البتہ جہاد فی سبیل اللہ ایک بالکل مختلف شے ہے۔ یہ صرف اللہ کے دین کے غلبے کے لئے ہوتا ہے' کسی سرزمین کے لئے نہیں۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مؤمن
نہ مال غنیمت' نہ کشور کشائی!!

جولوگ اللہ کے دین کو اپنی جانوں پر' اپنے جسموں پر اور اپنے گھروں میں نافذ کر چکے ہوں وہ ایک امیر کی قیادت میں اللہ کے دین کے غلبہ کے لئے جہاد کریں تو یہ جہاد فی سبیل اللہ ہوگا۔ اور اگر اسلامی حکومت موجود ہے تو حکومت کے تحت جہاد ہوگا' پھر آزادانہ طور پر جہاد نہیں ہوسکتا۔ جہاد فی سبیل اللہ کی یہ شرائط ہیں۔ کشمیر میں جو جہاد جاری ہے اس میں یہ شرائط پوری نہیں ہوتیں۔ البتہ یہ جہاد حریت ہے' جائز ہے' اور اس میں بھی اگر کوئی مسلمان اپنی جان دیتا ہے تو وہ شہادت کا رتبہ حاصل کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ)) ''جو مسلمان اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے''۔ اسی طرح اگر آزادی کے حصول کے لئے یا اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے جان دی جائے تو یہ بھی شہادت ہے۔ البتہ جہاد فی سبیل اللہ اور جہاد حریت کے مابین خلط مبحث (Confusion) نہیں ہونا چاہئے۔ اس خلط مبحث کی سب سے بڑی مثال پچاس کی دہائی میں ہونے والا الجزائر کا جہاد حریت ہے جسے اس وقت جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا گیا تھا لیکن جب وہ ''جہاد'' کامیاب ہوا تو اس کے نتیجے میں ایک سوشلسٹ ریاست وجود میں آئی حالانکہ اگر وہ جہاد فی سبیل اللہ تھا تو اس کے نتیجے میں اسلامی ریاست قائم ہونی چاہئے تھی۔ آم کا درخت لگایا گیا تھا تو اس پر آم لگنے چاہئیں تھے' اس میں یہ نیم کی نمولی کہاں سے آ گئی؟ یہ اس لئے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں تھا' جہاد فی سبیل الحریت تھا' آزادی کے لئے جہاد تھا۔

(۳) ایک بات مجھ سے یہ منسوب کی گئی کہ میں نے مشرف حکومت کے بارے میں فتویٰ دے دیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ دیکھئے اصولی اعتبار سے پاکستان کا نظام کافرانہ ہے' چنانچہ نہ صرف پرویز مشرف کے سارے اقدامات بلکہ خواہ وہ بے نظیر کے ہوں یا نواز شریف کے' سب کے سب کافرانہ ہیں' جب تک کہ یہاں اسلام کی' اللہ کی' اللہ کے قانون کی اور کتاب وسنت کی غیر مشروط بالادستی قائم نہیں ہوتی۔ لیکن قانونی سطح (لیگل

لیول) پر یہ ایک مسلمان ملک ہے اور یہ سمجھ لیجئے کہ اسلامی فقہ کا یہ اصول ہے کہ اگر کوئی اپنی طاقت کے بل پر آ کر حکومت پر قبضہ کر لے تو اس کا بھی جواز ہے' بشرطیکہ وہ کفر کا حکم نہ دے۔ اس معنی میں مارشل لاء کو بھی حرام نہیں کہا جا سکتا۔ اس پہلو سے میں نے پریس کانفرنس میں موجودہ حکومت کے جواز کی بات کی تھی' باقی فتویٰ دینے والا میں کون ہوتا ہوں۔

(۴) ''کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے''۔ میں کہتا ہوں کہ یہ شہ رگ سے بھی زیادہ اہم ہے' اس لئے کہ اس پر ہمارا حق ہے اور یہ پاکستان کے لئے ناگزیر ہے۔ باقی یہ کہ شہ رگ کے لئے میں نے اصل میں ایک لطیفہ جمعیت علماء اسلام کے حافظ حسین احمد صاحب کے حوالے سے بیان کیا تھا جو ایک بڑے اچھے مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ صنعت لفظی کے ماہر بھی ہیں۔ انہوں نے ہمارے ہاں کہا تھا کہ یہ عجیب بات ہے کہ ایک قوم یہ کہتی ہے کہ ہماری شہ رگ کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور وہ پھر بھی پچاس برس سے زندہ ہے۔ تو اس حوالے سے معاذ اللہ کسی کی توہین مقصود نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ ہماری شہ رگ نہ بھی ہو تو بھی ہمارا حق ہے' جو ہمیں حاصل کرنا ہے۔ بہر حال اس کی اہمیت ہمارے لئے واقعتاً شہ رگ کی ہے کہ ہمارا پانی زیادہ تر وہیں سے ہو کر آتا ہے' دریائے سندھ بھی وہیں سے گزر کر آ رہا ہے' جہلم اور چناب بھی وہیں سے گزر کر آ رہے ہیں تو اس اعتبار سے یہ ہمارے لئے بہت اہم ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری زندگی پانی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ یعنی ''ہم نے پانی ہی کے ذریعے سے تو ہر شے کے اندر حیات پیدا کی ہے''۔

(۵) باقی معاملات کے ضمن میں' مثلاً Confidence building measures یا تجارتی روابط وغیرہ میں بھی میری رائے وہی ہے کہ پہلے کشمیر کے مسئلے میں اگر کم از کم دو چیزوں کے بارے میں پیش رفت ہو جائے' یعنی یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ متنازعہ ہے اور دوسرے یہ کہ اسے چھ ماہ کے اندر اندر حل کرنے کا وعدہ

لے لیا جائے تو اس کے بعد ان معاملات پر بات چیت میں کوئی حرج نہیں۔

(۶) چین سے ہمارا تعلق کسی صورت کمزور نہیں ہونا چاہئے۔ امریکہ اور یو این او کی اپنی سکیمیں کیا ہیں! وہ اپنی سکیمیں اپنے ذہن میں رکھیں۔ افغانستان میں ان کی سکیم کیا تھی اور اللہ نے اس سے کیا برآمد کر دیا! انہوں نے افغانستان کے ذریعے سے USSR کو ختم کرا لیا' لیکن اسلامک فنڈامنٹلزم ان کے سر پر سوار ہو گیا۔ یعنی من در چہ خیال و فلک در چہ خیال! ﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا﴾ امریکہ کی چالیں اپنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر اپنی ہے۔ ہمیں امریکہ سے بھی تعلقات بہتر بنانے چاہئیں لیکن چین کے ساتھ اپنے ربط و تعلق کے اندر کوئی کمزوری نہیں آنے دینی چاہئے۔

(۷) میں حیران ہوں کہ صحافت کا معیار کیا ہو گیا ہے۔ ایک اخبار نے میرے حوالے سے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ میں نے قائداعظم کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے بارے میں بھی یہ کہا کہ وہ بھی تھرڈ آپشن کے قائل تھے۔ علامہ اقبال کے زمانے تک کسی آپشن کا کیا سوال تھا؟ وہ تو میں نے یہ کہا تھا کہ قائداعظم اور علامہ اقبال دونوں اس کے قائل تھے کہ ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات بہت برادرانہ ہونے چاہئیں۔ باقی یہ کہ تھرڈ آپشن کی بات قائداعظم نے کی تھی۔ اس کا ثبوت میں نے آپ کے سامنے پاکستان ٹائمز کے حوالے سے پیش کر دیا ہے۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

پاک بھارت تعلقات

امیر تنظیم اسلامی کا ۲۰ جولائی ۲۰۰۱ء کا خطاب جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد تلاوت آیات:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۝﴾ (النحل:۱۲۵-۱۲۸)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا:

پچھلے جمعہ میں اس موضوع پر گفتگو ہوئی تھی کہ مسئلہ کشمیر کا قابل قبول اور قابل عمل حل کیا ہے۔ اور اس کے ضمن میں خاص طور پر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ اسے اصل میں تقسیم ہند کی روح کے مطابق حل کیا جانا چاہئے۔

صدر پرویز مشرف کا دورۂ بھارت

اس کے بعد آپ کو معلوم ہے کہ ہفتے کے روز ہمارے چیف ایگزیکٹو جو اب صدر بھی ہیں، دہلی گئے اور یہ دن ان کا دہلی میں مختلف تقریبات میں صرف ہوا۔ وہاں وہ اپنے اس مکان کو بھی دیکھنے گئے جہاں ان کی پیدائش ہوئی تھی اور چار سال کی عمر تک جہاں وہ رہے تھے۔ گاندھی جی کی سمادھی پر انہوں نے پھول بھی چڑھائے اور بڑی ہی آؤ بھگت، ذوق وشوق اور شان وشوکت کے ساتھ ان کا استقبال ہوا۔ لیکن اصل مسئلہ

اتوار کی صبح کو شروع ہوا جب آگرہ میں مذاکرات کا آغاز ہوا۔ شروع میں اس کے بارے میں بڑی پُر امید خبریں آ رہی تھیں۔ ایک وہ ملاقات کہ جو پندرہ منٹ کی ہونی تھی وہ شاید ۱۰۵ منٹ تک جاری رہی اور بڑے خوبصورت انداز اور بہت ہی مناسب ماحول میں گفتگو جاری تھی۔ پھر رات کو دوبارہ ان کے مذاکرات ہوئے۔ اس وقت تک بھی ماحول بہت عمدہ تھا اور محسوس ہو رہا تھا کہ بڑے اچھے انداز سے بات آگے بڑھ رہی ہے۔

لیکن پیر کی صبح جنرل پرویز مشرف صاحب نے ناشتے کی میز پر وہاں کے بعض صحافی حضرات سے جو گفتگو کی اس نے واقعہ یہ ہے کہ پوری فضا کو بدل کر رکھ دیا۔ ان کی وہ گفتگو بہت ہی مؤثر اور فیصلہ کن تھی' اس نے دیکھنے اور سننے والوں کو قائل کیا۔ وہاں پر بڑے بڑے صحافی اور دانشور حضرات بھی ان کے موقف کے قائل ہوئے۔ یہ وہ بات تھی کہ جسے ہندوستان کی قیادت میں خاص طور پر جو hawks ہیں اور جو اپنے انداز میں زیادہ تیز اور تند ہیں' ہضم نہیں کر سکے۔ وہیں سے اصل میں پورے مذاکرات کا ماحول بدل گیا۔ ایک متفقہ بیان جو تیار کیا جا رہا تھا' اگرچہ کئی مرتبہ اس میں تبدیلیاں بھی ہوئیں' اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ واجپائی صاحب تو اس پر بہر طور آمادہ تھے کہ اس کا ایک حسب دل خواہ متن معین ہو جائے' لیکن جیسا کہ بعد میں ہمارے جنرل راشد قریشی صاحب نے کہا کہ کوئی خفیہ اور پوشیدہ ہاتھ تھا جو اس معاملے میں روڑے اٹکا رہا تھا۔ بہر حال اس کی جو صورت شام کو پیدا ہوئی وہ رات گئے تک اس طرح سامنے آئی کہ اب یہ مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس سے وہ جو ایک امید کی کیفیت پیدا ہوئی تھی اور اتوار کے روز اسی کے مطابق حالات بڑھتے ہوئے نظر آ رہے تھے' اس پر اوس پڑ گئی اور مایوسی کی کیفیت طاری ہوئی۔ البتہ بعد میں یہ کہا گیا کہ یہ مذاکرات ناکام نہیں ہوئے' بلکہ نامکمل رہے ہیں۔ inconclusive اور incomplete ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ تاویل بہتر بھی ہے' صحیح بھی ہے۔ اس

اعتبار سے بھی کہ واقعتاً گفتگو بہت ہوئی ہے اور اچھے ماحول میں ہوئی ہے۔ بہت حد تک ایک دوسرے کے موقف کو سمجھا گیا ہے اور بلاشبہ پاکستان نے بہت سے پوائنٹس سکور کئے ہیں۔ اور اس اعتبار سے بھی یہ تاویل لینا مناسب ہے کہ ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ! ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ یہ جو سلسلہ مذاکرات ہیں اگرچہ ان کی پہلی کڑی بظاہر ناکام کہہ لیں یا نامکمل کہہ لیں، نتیجہ خیز نہیں ہوسکی، لیکن اس سے جس عمل کا آغاز ہوا ہے امید کرنی چاہئے اور دعا بھی کرنی چاہئے کہ وہ عمل آگے بڑھے۔

بہرحال ایک بات بالکل واضح ہے کہ ان مذاکرات کے نتیجے میں جنرل پرویز مشرف صاحب کا قد کاٹھ بڑھ گیا ہے۔ ان کی ایک بات تو بالکل واضح طور پر یہ سامنے آئی کہ ان کا موقف بالکل واضح تھا اور انہوں نے اس کو دوٹوک انداز میں بیان کیا۔ کوئی سیاست دانوں جیسی اینچ پینچ یا ہیر پھیر نہیں تھا۔ پھر یہ کہ مسلسل consistancy رہی۔ جو بات وہ پاکستان میں کہتے رہے تھے وہی بات انہوں نے وہاں جاکر کہی کہ اصل کور ایشو (core issue) کشمیر کا ہے، باقی سب باتیں ثانوی ہیں۔ باقی سارے مسئلے بعد میں دیکھے جائیں گے، پہلے اس ایشو پر بات ہونی چاہئے۔ انہوں نے وہاں بھی کہا کہ کور (core) نہ کہیں اہم کہہ لیں، اہم ترین کہہ لیں۔ جو چاہیں کہہ لیں، لیکن اصل مسئلہ جو ہمارے مابین باعث نزاع ہے، وہ کشمیر کا ہے۔ تو جس قدر صاف گوئی کے ساتھ انہوں نے وہاں کام لیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خود وہاں کے صحافی حضرات بھی پاکستان کے موقف کے بہت حد تک قائل ہوئے اور دانش ور اور عوام بھی۔ اور وہاں اس کا جو بھی اثر پڑا ہے اس کا اندازہ بال ٹھاکرے کی اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ''جنرل صاحب تو پریڈ کرتے ہوئے آئے اور فاتح ہوکر واپس چلے گئے''۔ یعنی یہ اندازہ بھارت کے کٹر اور تنگ نظر ہندو طبقے کا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جنرل پرویز مشرف صاحب یہاں سے کامیاب ہوکر گئے ہیں جبکہ ہماری حکومت ناکام رہی ہے۔

اس اعتبار سے میں سمجھتا ہوں کہ خود جنرل پرویز مشرف نے یقیناً اپنے مستقبل کے کیریئر کے لئے کچھ پوائنٹس سکور کئے ہیں اور اندازہ یہی ہوتا ہے کہ فیلڈ مارشل ایوب خان اور جنرل ضیاء الحق کی مانند ان کا جو ایک لمبی اننگز کھیلنے کا ارادہ ہے' اس دورے نے یقیناً اس کو تقویت پہنچائی ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی اخبارات میں آئی ہے کہ ان کی مقبولیت کا گراف جو کچھ نیچے ہو گیا تھا اس جگہ سے کہ جہاں وہ ۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء کو تھا' اب دوبارہ بالکل اسی جگہ پر پہنچ چکا ہے۔ بھارت کا معاملہ اس کے برعکس یہ ہوا کہ اس کا امیج بہت سے اعتبارات سے مجروح ہوا ہے۔ پہلی سیدھی سی بات تو یہ تھی کہ اگر تم نے کشمیر کے مسئلے پر گفتگو ہی نہیں کرنا تھی تو پھر جنرل پرویز مشرف کو دعوت کس بات کے لئے دی تھی؟ انہوں نے تو یہ بات کبھی چھپا کر نہیں رکھی تھی کہ اصل مسئلہ کشمیر کا ہے' اور اگر بات ہو گی تو کشمیر پر ہو گی۔ انہوں نے کبھی ذومعنی بات نہیں کی' کوئی گنجائش نہیں چھوڑی' کہیں کوئی رخنہ نہیں چھوڑا کہ جس سے دوسرا بھی کوئی امکان ہو۔ جیسے ہی وہ اقتدار میں آئے تھے اس دن سے لے کر اب روانگی کے آخری وقت تک وہ برملا کہتے رہے ہیں کہ میں مذاکرات کے لئے کسی بھی جگہ' کسی بھی وقت' کسی بھی لیول پر تیار ہوں' لیکن core ایشو کشمیر کا ہے۔ اب اتنی واضح بات کے بعد بھی اگر اس کے ضمن میں کوئی بات نہیں کرنی تھی تو ہندوستان جو ایک بہت بڑا ملک ہے اور اس کی ایک بڑی حکومت ہے' دنیا میں اس کا مقام جمہوری حکومت ہونے کے اعتبار سے بھی بلند ہے' حکومتی سطح پر اس کا امیج بحیثیت مجموعی یقیناً مجروح ہوا ہے۔

پھر ایک اور چیز جو سامنے آئی ہے وہ ہندوؤں کی تنگ نظری اور تنگ ظرفی ہے' کہ جس شان کے ساتھ استقبال کیا گیا تھا' جب ذرا معاملات ٹھیک نہیں ہوئے ہیں تو واپسی کا معاملہ اس کے بالکل برعکس رہا کہ الوداع کہنے کے لئے کوئی اہم آدمی موجود نہیں تھا' کوئی پروٹوکول نہیں دیا گیا۔ بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ اپنے کسی نجی دورے پر آئے ہوں اور اپنا کام کر کے واپس جا رہے ہوں اور یہ کوئی سرکاری دورہ تھا

ہی نہیں ۔ یہ بہت ہی گھٹیا اور رکیک حرکت ہے۔ اور یہ درحقیقت عام ہندونفسیات ہے جس کا ایک ظہور ہوا ہے کہ ان معاملات میں پروٹوکول اور آداب کا جس حد تک لحاظ رکھا جانا چاہئے ہندو اس حد تک اس کی پابندی کرنے کو بھی تیار نہیں ہے۔

تیسری بات یہ کہ واجپائی صاحب کی statesmanship یقیناً گہنا گئی ہے۔ ان کا ایک مقام تھا۔ یقیناً وہ اس وقت ہندوستان کے معمر ترین سیاست دان ہیں' ان کا طویل ترین وقت سیاست میں گزرا ہے۔ پھر یہ کہ اگرچہ ان کا تعلق کٹر ہندو مذہبی لوگوں کے ساتھ ہے لیکن ان میں بھی ان کو ہمیشہ زیادہ معقول اور معتدل آدمی سمجھا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہرحال ان کا امیج خراب ہوا ہے۔

چوتھی بات یہ کہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بی جے پی کے اندر تقسیم ہے۔ اس میں hawks ہیں کہ جو کسی شکل میں بھی پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر نہیں کرنا چاہتے۔ ایل کے ایڈوانی ہیں' مرلی منوہر جوشی ہیں۔ اور اس بات کا بھی پتہ چلا کہ واجپائی صاحب کی اپنی پارٹی پر گرفت پوری طرح مضبوط نہیں ہے۔ اس اعتبار سے واجپائی صاحب کی شخصیت کو بھی دھچکہ لگا ہے اور بی جے پی کے اختلافات اس طریقے سے سامنے آنے سے اس پارٹی کے امیج کو بھی نقصان پہنچا ہے۔

پاک بھارت تعلقات کے ضمن میں بانیانِ پاکستان کے تصورات

میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ کشمیر کا حل وہ ہونا چاہئے کہ جو تقسیم ہند کی روح کے مطابق ہو اور اس کے ایجنڈے کی ایک نامکمل شق کو پورا کرنے کے اعتبار سے ہو۔ اس کے ساتھ ہی میں نے پاکستان کے Founding Fathers اور مؤسسین کے بارے میں عرض کیا تھا کہ ان میں سب سے پہلے علامہ اقبال کا نام آتا ہے' اس لئے کہ مصور پاکستان' مفکر پاکستان' مبشر پاکستان علامہ اقبال ہیں۔ پھر قائداعظم ہیں کہ جنہوں نے ۱۹۳۷ء کے بعد سے قیادت سنبھالی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انہی کی ولولہ انگیز قیادت کے نتیجے میں وہ خواب جو علامہ اقبال نے دیکھا تھا' اس کی ایک تعبیر سامنے

آئی اور بالفعل پاکستان کا قیام ممکن ہوا۔ چنانچہ ان دونوں نے جو بات پاکستان اور بھارت کے تعلقات کی نوعیت سے متعلق کہی تھی وہ اب ہمارے ذہنوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہے اور جس کا اب کبھی تذکرہ بھی نہیں ہوتا۔ آج اصل میں میری گفتگو اسی موضوع پر ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں ایک جملہ کہا تھا جو اِس سے پہلے میں نے کبھی quote نہیں کیا' لیکن آج میں نے اسے نوٹ کیا ہے۔ علامہ نے فرمایا تھا کہ ''ہندوستان (یعنی یونائیٹڈ انڈیا) دنیا میں عظیم ترین اسلامی ملک ہے'' ظاہر بات ہے کہ اُس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ تھی۔ اتنی تعداد کا کسی اور جگہ پر ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ آج اگر پاکستان' بنگلہ دیش اور بھارت کے مسلمانوں کو جمع کر لیا جائے تو پچاس کروڑ مسلمان بنتے ہیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ جب ہندوستان کے شمال مغرب میں آزاد مسلمان ریاست قائم ہو جائے گی اور جسے انہوں نے کہا تھا کہ ''میں اسے تقدیر مبرم سمجھتا ہوں'' یعنی یہ ہو کر رہے گا' یہ لازمی ہے۔ فرمایا ''اب اس شکل میں سیاست کا نظام مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں ہوگا۔ اس طرح اگر شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کو ترقی کے بھرپور مواقع میسر آئیں گے تو وہ خود کو بیرونی حملہ آوروں کے خلاف ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت کر سکیں گے' خواہ یہ بیرونی حملہ نظریات کا ہو یا سنگینوں کا''۔ یعنی مصور پاکستان' مبشر پاکستان' مفکر پاکستان یہ نظریہ رکھتے تھے کہ پاکستان بھارت کا محافظ ہوگا۔ ظاہر بات ہے کہ ہندوستان میں جب بھی حملہ آور آئے ہیں وہ شمال مغرب کی طرف سے آئے ہیں' افغانستان کے راستے سے' درۂ خیبر سے ہو کر آئے ہیں۔ کوئی بھی آئے' ہن آئے' آریا آئے' پھر جب مسلمان آئے' غوری آئے' غزنوی آئے وغیرہ وغیرہ' جو بھی آئے' جب بھی آئے' وہیں سے آئے۔ تو ایک یہ کہ اس اعتبار سے پاکستان گویا کہ ان کے راستے میں اور آئندہ کسی بھی آنے والے کے راستے میں رکاوٹ بن جائے گا۔ ثانیاً نظریاتی حملے

کے راستے میں بھی رکاوٹ ہوگا۔ اور میں حیران ہوتا ہوں کہ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت دنیا میں ایک ہی نظریہ تھا جو بڑی تیزی کے ساتھ ابھر رہا تھا۔ وہ کمیونزم کا نظریہ تھا' اور کوئی نظریہ اس کے مقابلے میں تھا ہی نہیں۔ اسلام تو ابھی نوآبادیاتی دور سے گزر رہا تھا' اکثر و بیشتر مسلمان ممالک ابھی غلام تھے' لہٰذا ابھی اسلام کا کسی نظریئے اور نظام کی حیثیت سے کسی جگہ قابل شمار گردانا جانا خارج از بحث تھا۔ دنیا میں جو باقی نظریات تھے وہ خطرے میں تھے اور پھر پورے ویسٹ کو خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ کمیونزم کا سیلاب بہا کر لے جائے گا' تو یہاں نظریاتی حملہ مراد ہے۔ چنانچہ بقول علامہ اقبال بیرونی حملہ خواہ وہ نظریاتی ہو یا سنگینوں کا ہو' ان دونوں اعتبارات سے یہ جو ہندوستان کے شمال مغرب میں مجوزہ ملک ہے (جسے آج ہم پاکستان کے نام سے جانتے ہیں) وہ بھارت کا محافظ ہوگا۔

قائد اعظم کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ: پاکستان کے بھارت کے ساتھ تعلقات کس نوعیت کے ہوں گے؟ تو انہوں نے کہا تھا ''بالکل اسی طرح کے ہوں گے جیسے امریکہ اور کینیڈا کے ہیں''۔ یہ دو Sister Countries ہیں' ان میں ویزا اور پاسپورٹ بھی نہیں ہے۔ اگر امریکہ کا کوئی شہری کینیڈا جانا چاہے تو اس کے پاس صرف اپنے امریکی ہونے کا کوئی ثبوت ہونا چاہئے' چاہے اس کے پاس صرف ڈرائیونگ لائسنس ہو جس سے معلوم ہو سکے کہ وہ امریکہ کا شہری ہے۔ چنانچہ اسے دکھا کر وہ کینیڈا جا سکتا ہے اور اسی طرح کینیڈا کا شہری امریکہ آ سکتا ہے۔ بظاہر اگرچہ دو ملک ہیں' ان کی معیشت میں بھی خاصا تفاوت ہے۔ کینیڈا کی معاشی حالت آج کل خاصی خراب ہے جبکہ امریکہ کی بہت بہتر ہے۔ امریکن کینیڈا کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو اپنی معیشت کے اعتبار سے تیسری دنیا کے ممالک میں شامل ہو چکا ہے۔ اس کے ڈالر کی قیمت بھی امریکی ڈالر کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ لیکن جہاں تک سماجی معاملات ہیں' آمد و رفت کا معاملہ ہے' ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دو برادر

ملک ہوں۔اس اعتبار سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جو قائداعظم اور علامہ اقبال نے کہا تھا اب رفتہ رفتہ فضا اس کے لئے تدریجاً سازگار ہو رہی ہے۔

ہندو مسلم دشمنی کا گراف ـــ ایک جائزہ

جیسا کہ میں نے اپنے گزشتہ خطاب میں کہا تھا' اصل میں ہندو مسلم دشمنی اور منافرت کی چار تہیں ہیں: (۱) ہندو کی روایتی تنگ نظری' چانکیہ کی سیاست' (۲) ہندو مسلمانوں کا غلام رہا' کہیں ہزار برس اور کہیں آٹھ سو برس' اس کا ایک ردعمل اور نفرت' (۳) انگریزوں نے ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' (Divide and rule) کی پالیسی اختیار کر کے اس جلتی پر تیل ڈالا اور ایک دوسرے کے خلاف شدید منافرت اور دشمنی پیدا کر دی کہ یہ آپس میں لڑیں گے اور اس طرح ہمارے لئے ان پر حکومت کرنا آسان ہوگا۔ اگر متحد ہو جائیں گے تو ہم سے آزادی مانگیں گے۔ اور (۴) سازش کے طور پر کشمیر کا مسئلہ پیدا کر دیا اور یہ ہڈی (bone of contention) ان کے درمیان ڈال دی تا کہ یہ آپس ہی میں لڑتے رہیں اور سابق حکمران یعنی انگریزوں کے خلاف ان کے اندر دشمنی کے یا انتقامی جذبات پروان نہ چڑھ سکیں۔

اب یہ چیزیں ذہن میں رکھئے کہ ایک تو انگریز کو یہاں سے رخصت ہوئے نصف صدی سے زائد ہو گئی۔ ان پچاس چون برسوں کے دوران وہ نسل جو ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کی پالیسی کے اثرات کے تحت پروان چڑھی تھی' ختم ہو چکی ہے۔ بلکہ پچاس برس میں تو دو نسلیں بیت جاتی ہیں۔ پچیس برس نوع انسانی کی ایک نسل شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ تیسری نسل سامنے آ چکی ہے۔ لہٰذا divide and rule کی پالیسی کا معاملہ اب بہت دور جا چکا ہے۔ اُس کے اثرات یقیناً کم ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ سے جو دشمنی اُس وقت تھی آج اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر خدانخواستہ اُس وقت ہندوستان ایک وحدت کی حیثیت سے وجود میں آ جاتا تو ہندوؤں نے مسلمانوں سے اقلیت ہونے کی بناء پر جو انتقام لینا تھا اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس اعتبار سے

میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ہم پر بہت بڑی رحمت ہوئی کہ ہندوستان ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد نہیں ہوا' بلکہ پاکستان اور بھارت دو علیحدہ ملک وجود میں آئے۔ لیکن اب صورتِ حال میں یقیناً فرق واقع ہوا ہے۔ وہ اثرات جو انگریزوں کے پیدا کردہ تھے اور نفرتوں کے اندر اضافہ کیا گیا تھا' ظاہر ہے کہ وہ عامل اب یقیناً کم ہوا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ بھی ایک عجیب بات ہے اور اس کے لئے بھارتی سماج کے ذرا گہرے مشاہدے کی ضرورت ہے کہ ہندو سماج کے اندر جو حیثیت برہمن کو حاصل تھی وہ سارے فساد کی جڑ تھی۔ وہ تو گویا مذہب کا پورا ٹھیکے دار تھا' اس کے بغیر کوئی مذہبی تقریب' کوئی رسم ادا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ گویا کہ ہندو مذہب کی چکی اسی کے گرد گھومتی تھی۔ پھر یہ کہ اس نے جو تقسیم کی تھی کہ سب سے اوپر برہمن' پھر کھشتری یعنی راجپوت' زمیندار' پھر ویش یعنی کاروباری لوگ' بنئے اور پھر آخر میں شودر' اس کے اثرات بھی اب کافی حد تک کم ہوئے ہیں۔ اس تقسیم میں شودروں کا حال یہ تھا کہ ان کا وید کے اشلوک پڑھنے کا تو کیا سوال! وہ تو نہ پڑھ سکتے ہیں' نہ دیکھ سکتے ہیں' نہ چھو سکتے ہیں' کہیں اگر اتفاق سے کوئی شودر گزر رہا ہو' وہاں وید پڑھا جا رہا ہو تو اس کے کان میں اگر اس کے کچھ اشلوک چلے گئے تو اس کا علاج یہ ہو گا کہ سیسہ پگھلا کر اس کے کان میں ڈال دیا جائے تاکہ اس کی سماعت ہی ختم ہو جائے اور ویدوں کے اشلوکوں کے وہ اثرات جو اس کے کانوں میں پہنچ گئے ہیں' وہ وہیں کے وہیں ختم ہو جائیں۔ اب صورت حال یہ نہیں ہے۔ بھارت کے معاشرے میں تدریجاً ایک انقلاب بہت حد تک آ چکا ہے۔ اب برہمن کی وہ پوزیشن نہیں ہے۔ اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ مثلاً:

(۱) وہاں اب سیکولرزم کا دور دورہ ہے اور ان کی مڈل کلاس واقعتاً سیکولر ذہن کی ہے۔ سرکاری ملازم' دانشور لوگ' پڑھے لکھے لوگ' کاروباری آدمی' پروفیشنلز' یہ سب لوگ واقعتاً سیکولر ذہن کے ہیں۔ اور سیکولر نظام کے اندر پھر برہمن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ چنانچہ برہمن کا وہ مقام ختم ہو چکا ہے۔ سیکولرزم کی وجہ سے ہندو معاشرے کے

اندر برہمن کی پیدا کردہ خباثت کی حیثیت کم ہوگئی ہے۔

(۲) بھارت میں ابتداء ہی سے کانگریس کی حکومت کے تحت یہ کوشش ہوتی رہی کہ شودروں کو بھی اونچا اٹھایا جائے' اگرچہ عام طور پر اس کی بڑی شدید مخالفت ہوئی۔ پنڈت جواہر لال نہرو سوشلسٹ تھے۔ ظاہر بات ہے کہ سوشلسٹ آدمی کے نزدیک یہ اونچ نیچ' شودر اور برہمن کی تقسیم بے معنی شے ہے۔ لہٰذا وہاں یہ کوشش کی گئی کہ ان کے حقوق کو تحفظ دیا جائے اور ان کے لئے بھی کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سیٹیں رکھی جائیں' تاکہ ان کو داخلہ ملے' تعلیم حاصل کریں' ملازمتوں میں ان کا حصہ رکھا جائے۔ اس پر بڑے فسادات بھی ہوئے اور اونچی ذات کے ہندوؤں نے نیچی ذات کے ہندوؤں کی پوری پوری آبادیاں جلا کر راکھ کر دیں۔ یہ سب ہوا ہے اور دنیا میں ہمیشہ یہ ہوتا ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی ڈیموکریسی امریکہ ہے' لیکن وہاں بھی کالے اور گورے کے درمیان فرق و امتیاز کو ختم کرنے کے لئے امریکیوں کو بہت جدوجہد کرنی پڑی۔ انہیں پوری جنگ کرنی پڑی ہے۔ آسانی کے ساتھ وہاں کے لوگ ان غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ یہ ہمارے غلام' یہ افریقی' ہم انہیں آزاد کر دیں اور یہ ہمارے برابر کے ہو جائیں اور ان کو بھی ایک ووٹ مل جائے جیسا کہ ایک ووٹ ہمارا ہے۔ ان کے نزدیک یہ ناممکن تھا۔ چنانچہ امریکیوں کے ذہنوں میں یہ بات اتارنا اور ان کے حلق سے یہ کڑوی گولی اتروانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اب بھی وہاں پورے طور پر یہ اثرات ختم نہیں ہوئے ہیں۔ احساسات تو ختم نہیں ہوتے۔ لیکن وہاں ان احساسات کے اندر رنگ کا ایک بڑا فرق نمایاں ہے کہ ایک شخص سیاہ فام اور ایک شخص سرخ و سفید ہے۔ ہندوستان میں رنگ کا نمایاں فرق تو نہیں ہے۔ شودر بھی اسی رنگ کے ہیں جیسا کہ اوپر والی ذات کے راجپوت یا ویش۔ شکل و صورت اور رنگ کا تھوڑا بہت علاقائی فرق تو ہوتا ہی ہے' لیکن ان چار ذاتوں

کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ بہر حال اس دوران یہ ہوا ہے کہ شمالی ہند میں یادو جو کہ گھٹیا لوگ کہلاتے ہیں' ان میں سے ملائم سنگھ یادو چیف منسٹر رہا ہے۔ اب یہ لوگ سیاسی اعتبار سے بہت آگے آ چکے ہیں اور ان کی ایک حیثیت ہے۔ بہار اور یوپی کے اندر ان کی سیاسی حیثیت بہت مضبوط ہو چکی ہے۔ اب وہاں پر برہمن کا راج نہیں ہے۔ اسی طرح جنوبی ہند میں دلیچ ایک بہت بڑی تحریک ہے۔ ان کے پرچے اور اخبارات نکلتے ہیں۔ اور وہاں پر واقعہ یہ ہے کہ وہ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ آگرہ کے جو مذاکرات ابھی ہوئے ہیں' چاہے انہیں ناکام کہیں' یا نامکمل کہیں' اس سے بی جے پی کو ایک زبردست دھچکا لگا ہے۔ ویسے بھی کچھ تجزیہ نگار یہ کہہ رہے ہیں کہ بی جے پی اپنے climax پر آ کر اب down fall کی طرف جا رہی ہے۔

اصل میں ہندوستان میں ہندو فنڈامنٹلزم اور مذہبی شدت جس وجہ سے پیدا ہوئی اسے ذہن میں رکھئے۔ میں پہلے آپ کو اپنا تجربہ بتا دیتا ہوں کہ پہلی مرتبہ میں ۱۹۸۰ء میں ہندوستان گیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں سلیمانکی ہیڈ ورکس سے دریائے ستلج عبور کیا تھا تو ہندوستان چھوڑ کر پاکستان میں داخل ہوا۔ اس کے بعد تینتیس برس تک یہ سرحد کی لائن عبور کرنے کا موقع نہیں آیا۔ ۱۹۸۰ء میں پہلی مرتبہ وہاں گیا تو وہاں کے مشاہدات میں نے مسجد شہداء میں اپنے ایک خطاب میں آ کر بیان کئے تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ وہ خطابِ جمعہ تھا یا کوئی علیحدہ سے جلسہ تھا۔ وہاں میں نے اپنی دو observations کو بڑی اہمیت کے ساتھ بیان کیا تھا۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان میں کوئی مرکزی یا وحدانی نیشنلزم پروان نہیں چڑھ سکا' بلکہ Regionalism اور علاقائیت کا دور دورہ ہے۔ چنانچہ آپ کو معلوم ہے کہ وہاں کی ریاستوں کی اپنی اپنی زبانیں ہیں۔ وہاں کی ریاستی اسمبلی اور ریاستی حکومت کی کارروائی بھی ان کی اپنی زبان میں ہوتی ہے۔ صرف مرکزی حکومت کے ساتھ رابطے کے لئے انگریزی ہے' ہندی کو تو انہوں نے قبول ہی نہیں کیا۔

جنوبی ہند میں اس پر بڑے بڑے فساد ہوئے۔ انہوں نے ہندی کی بالادستی گوارا کرنے کے لئے قطعاً آمادگی ظاہر نہیں کی۔ تو ایک تو یہ کہ وہاں کوئی ایک نیشنلزم پروان نہیں چڑھ سکا۔ اور اگر ایک نیشنلزم پروان چڑھ جاتا تو وہ پاکستان کے لئے خطرہ بنتا۔ دوسرے یہ کہ میں نے اُس وقت یہ کہا کہ میں یہ دیکھ آیا ہوں کہ ہندو مذہب کا وہاں قطعاً کوئی احیاء نہیں ہوا۔ اگر ہندو مذہب کا احیاء ہو جاتا تو وہ وہاں کے مسلمانوں کے لئے خوفناک بات تھی۔ یہ دونوں چیزیں ۱۹۸۰ء تک ہندوستان میں نہیں تھیں۔

اس کے بعد ایک واقعہ ہوا' وہ یہ کہ اندرا گاندھی ایک الیکشن میں ہار گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلم ووٹ ایک ٹھوس ووٹ بینک کی حیثیت سے اس کے خلاف گیا۔ کیونکہ وہاں آبادی کی منصوبہ بندی کے لئے نس بندی کا معاملہ جبراً کیا جا رہا تھا کہ مرد کی نس کچل دی جائے تاکہ اس کا مادۂ تولید آ ہی نہ سکے' تو ظاہر ہے کہ پھر اس سے بچہ نہیں ہوگا اور حمل ہی نہیں ٹھہرے گا۔ اس سے مسلمانوں کے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ شاید ہمیں ٹارگٹ بنایا جا رہا ہے اور اس طرح سے مسلمانوں کی آبادی کو کم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ان کی شرح پیدائش کم ہو جائے' بلکہ ختم ہو جائے' تاکہ اقلیت میں تو یہ ہیں ہی اور بھی زیادہ minute اقلیت بن جائیں۔ چنانچہ ردعمل کے طور پر مسلمانوں کو جبری نس بندی کے خلاف جو ایک غصہ آیا تو پھر نتیجہ یہ نکلا کہ پورے ہندوستان میں مسلمانوں کا ووٹ کانگریس کے خلاف استعمال ہوا۔ نتیجتاً اندرا گاندھی ہار گئی۔ چنانچہ پھر اس کی تلافی کے لئے اس نے یہ راستہ تلاش کیا کہ اگلے الیکشن میں پھر وہ ہندی دیوی بن کر اور مذہبی روپ اختیار کر کے سامنے آئی۔ لہٰذا اس نے سارے پنڈتوں سے جا کر ملاقاتیں کیں' بڑے بڑے مندروں کے اندر جا کر پوجائیں کیں' اپنے آپ کو ہندو مذہب کے ساتھ identify کیا' تاکہ اب ہندو ووٹ ایک ٹھوس ووٹ بینک کی حیثیت سے اس کے استعمال میں آئے۔ نتیجتاً اگلے الیکشن میں وہ دوبارہ کامیاب ہوگئی۔ لیکن اس عمل سے ہندو فنڈامنٹلزم کا وہ جن جو اَب تک بوتل میں بند تھا' وہ باہر نکل آیا۔ اس زمانے

میں ٹیلی ویژن میں رامائن وغیرہ پر بہت لمبے لمبے فیچرز اور بڑی لمبی لمبی سیریز دکھائی گئیں۔ اس سے بھی ہندوؤں کے اندر اپنے ماضی کا احساس اجاگر ہوا۔

یہ ہے وہ صورت حال جس کے نتیجے میں وہاں سنگھ پریوار جس کا کہ ایک فیز بی جے پی ہے' ان کو یہ حیثیت حاصل ہوئی کہ اِس وقت ان کی حکومت قائم ہے۔ اگرچہ یہ حکومت ان کے اپنے بل پر نہیں ہے' بلکہ تیئس پارٹیوں کی کولیشن ہے اور ان تیئس پارٹیوں کی کولیشن کو قائم رکھنے والی اصل شخصیت صرف اٹل بہاری واجپائی کی ہے۔ بی جے پی کا کوئی دوسرا شخص درحقیقت ان پارٹیز کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں پر ایک عجیب dilema سا پیدا ہوگیا ہے کہ ایک طرف بی جے پی کی انتہاپسند قیادت ہے کہ جو واجپائی کو پسند نہیں کرتی۔ اس لئے کہ واجپائی اپنے آپ کو معتدل کم ازکم ظاہر تو کر ہی رہا ہے۔ پھر وہ پاکستان کے ساتھ تعلقات کی بحالی کے لئے اور کسی درجے میں کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ آمادہ ہے' تو بی جے پی کے اندر جو سخت عناصر ہیں' مرلی منوہر جوشی کی قسم کے لوگ' وہ واجپائی کے شدید مخالف ہیں۔ لیکن واجپائی ان کے لئے ناگزیر ہے' اس لئے کہ انہیں پتہ ہے کہ اگر واجپائی ہٹتا ہے تو ہماری حکومت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ باقی تیئس اتحادی جماعتیں ساتھ نہیں دیں گی۔ وہ تو اسی طور پر ساتھ دے رہی ہیں کہ یہاں پر واجپائی ہے۔ چنانچہ بی جے پی نے جو الیکشن جیتا تھا' اور جس درجے میں بھی جیتا' اس کے منشور کے تین ایشوز وہ ہیں کہ جو بی جے پی کو اتحادی جماعتوں کے دباؤ کی وجہ سے پیچھے رکھنے پڑے ہیں۔ ان میں ایک معاملہ یہ تھا کہ ہم فوراً رام مندر تعمیر کر دیں گے' لیکن اس کو بھی انہوں نے پیچھے رکھ دیا۔ کولیشن میں جو دوسری جماعتیں ہیں وہ سب علاقائی جماعتیں ہیں' وہ کٹر قسم کی ہندو جماعتیں نہیں ہیں' لہٰذا وہ اس معاملے میں ان کا ساتھ دینے کو تیار نہیں۔ اسی طرح کشمیر کے بارے میں دستور ہند میں جو ایک خصوصی دفعہ ہے اس کو بھی انہوں نے ختم کرنے کا کہا تھا' لیکن وہ بھی ختم نہیں کی۔ اور تیسری یہ کہ مسلمانوں پر

لازمی اور جبری طور پر ایک کامن سول کوڈ مسلط کر دیں گے کہ نکاح' طلاق اور سارے سماجی معاملات میں ایک ہی قانون ہونا چاہئے' اور راجیو گاندھی نے جو یہ طے کروا دیا تھا کہ ہندوستان کی کوئی عدالت' بشمول انڈیا کی سپریم کورٹ' مسلمانوں کے عائلی معاملات میں دخل نہیں دے سکتی' اس کو ختم کرنا بی جے پی کے منشور کا ایک حصہ تھا۔ لیکن انہوں نے اس ضمن میں بھی کوئی پیش قدمی نہیں کی' اس لئے کہ تیس کولیشن پارٹیز ساتھ دے رہی ہیں تب تو حکومت قائم ہے' ورنہ حکومت ختم ہو جائے گی۔ بہر حال اس سے بھی مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ فضا بہتر ہوئی ہے اور اب اس سے یقیناً حالات ایسے پیدا ہونے کی توقع ہے کہ وہ خواب جو علامہ اقبال نے دیکھا تھا' یا وہ خواب جو قائداعظم نے دیکھا تھا' شاید اس کی طرف کچھ پیش رفت ہو سکے۔ اس اعتبار سے یہ بڑی اچھی خبر آئی ہے کہ بھارت کے وزیر خارجہ جسونت سنگھ کو ہمارے وزیر خارجہ نے پاکستان آنے کی دعوت دی ہے جو انہوں نے قبول کر لی ہے۔ اسی طرح واجپائی صاحب نے بھی کہا ہے کہ میں پاکستان جاؤں گا۔ اور یہاں بھی بعض لوگ پرویز مشرف صاحب کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ جو بھی دعوت وہاں دے کر آئے ہیں اس کی تجدید کریں' اس کی توثیق کریں اور بڑے ہی مضبوط انداز میں دعوت دیں' تاکہ واجپائی صاحب پاکستان آئیں۔

صلح و آشتی کی فضا کی اہمیت

اگلی بات جو میں اس معاملے میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ صلح و آشتی کی فضا کو مَیں خاص طور پر کس چیز کے لئے ایڈووکیٹ کر رہا ہوں۔ دیکھئے صلح و آشتی کی فضا میں ہمارا داعیانہ کردار ابھر کر سامنے آ سکتا ہے۔ نفرت اور دشمنی کی فضا میں ہم اپنے پیغام کو اُن تک نہیں پہنچا سکتے۔ ہم تو توحید کے علم بردار ہیں' ہم نظامِ اسلامی کے علم بردار ہیں' ہم قرآن کے حامل ہیں' قرآن کے نور کو چہار دانگ عالم میں پھیلانا بحیثیت امت ہماری ذمہ داری ہے' لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے مابین فضا کچھ

بہتر ہو' اس میں دشمنی کے اثرات کم ہوں' تا کہ یہ داعیانہ کردار سامنے آ سکے۔ دیکھئے یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ ہندوستان میں اسلام اُس وقت آیا جب اسلام خود بحیثیت دین زوال سے دوچار ہو چکا تھا۔ دین اسلام کی مکمل شکل خلافتِ راشدہ تھی' لیکن اس کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان میں اسلام وارد ہوا' جبکہ اسلام میں ملوکیت اور بادشاہت آ چکی تھی۔ خلافتِ راشدہ والا اسلام تو ہندوستان نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ چنانچہ اسلام کی اصل حیثیت اور اسلام اصل میں جس اعتبار سے انسانوں کے لئے رحمتِ خداوندی کا مظہر اتم ہے' اس کی یہ صورت ہندوستان کے سامنے آئی ہی نہیں' بلکہ یہ نظامِ ملوکیت کے ساتھ آیا۔ گویا کہ ہندوستان میں اسلام دین کی حیثیت سے نہیں آیا' صرف مذہب کی حیثیت سے آیا ہے' جو محض عقائد' عبادات' نماز' روزہ وغیرہ پر مشتمل تھا۔ ہاں' ہمارا کچھ سماجی structure کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں' کوئی چھوت چھات نہیں ہے' سب برابر ہیں' سب کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد کے اندر نمازیں پڑھتے ہیں' ع ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز! غلام ہو یا آقا ہو' نماز میں کندھے سے کندھا جوڑ کر کھڑے ہوں گے' یہ چیزیں ایسی تھیں کہ جس نے یہاں کی عوام کو متاثر کیا۔ اور پھر ہمارے صوفیائے کرام کی تبلیغ کے ذریعے سے یقیناً یہاں پر اسلام پھیلا ہے۔ وہ چاہے شیخ علی ہجویریؒ ہوں' معین الدین اجمیریؒ ہوں' بابا فرید الدین گنج شکرؒ ہوں' پورے پورے قبیلے ان کے ہاتھوں پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن دعوتی کام حکومت کی سطح پر نہیں ہوا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالص اسلامی تعلیمات یہاں نہیں آئیں۔ اسلام صرف ایک مذہب کی حیثیت سے آیا' نظام کی حیثیت سے متعارف ہی نہیں ہوا۔ اسلام کی صرف انفرادی زندگی سے متعلق ہدایات سے یہاں کے لوگ واقف ہوئے اور اسلام نے زیادہ سے زیادہ ایک cult کی شکل اختیار کی یا پھر اسلام نے ہندوستان کو کچھ اچھے افراد دیئے جنہوں نے اپنے اَخلاق و کردار سے یہاں کے لوگوں کو متاثر کیا۔ اور اس کا

مقابلہ بھی ہندوؤں نے دو طریقوں سے کیا۔ ہندو اس معاملے میں بہت ہوشیار ہیں۔ یہ اس اعتبار سے دنیا کی کامیاب ترین قوم ہے کہ کسی بھی دوسرے فلسفے کو' کسی بھی دوسرے مذہب کو پنپنے نہیں دیتی' بلکہ اپنے اندر ہضم کر لیتی ہے' اسے digest کر لیتی ہے' اُس کی علیحدہ انفرادیت' اس کی علیحدہ شخصیت اور حیثیت باقی نہیں رہنے دیتی۔ باہر سے آنے والوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا اور بدھ مت جو یہاں پیدا ہوا تھا' اس کو بھی ایسا یہاں سے دیس نکالا دیا ہے کہ یہاں اب اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ اب اس کا وجود اگر ہے تو وہ ساؤتھ ایسٹ ایشیا یعنی چین اور جاپان میں ہے۔ گوتم بدھ بہار کے علاقے میں پیدا ہوئے اور وہیں کی ایک ریاست کپل وستو کے شہزادے تھے' اور بادشاہ اور راجہ بننے والے تھے۔ لیکن یہ کہ ہندو نے بدھ مت کا نام ونشان ہندوستان سے مٹا دیا۔ مگر اسلام گویا ان کے لئے بڑا سخت چنا (hard nut to crack) ثابت ہوا۔ پھر بھی ہندوؤں نے دو طریقوں سے اسے ذرا کمزور اور نرم وگداز کر لیا۔

ایک طریقہ بھگتی تحریک کا اختیار کیا گیا' جس میں دو نمایاں نام بھگت کبیر اور گرونانک کے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کو ہندو مت کے ساتھ شامل کر کے ایک علیحدہ مذہب پیدا کر لیا' تاکہ اسلام اپنے علیحدہ تشخص کے ساتھ آگے نہ بڑھے۔ سکھ تحریک اصل میں یہی تھی۔ گرنتھ صاحب میں آپ کو قرآن کی آیتیں مل جائیں گی' حضور ﷺ کی تعریفیں مل جائیں گی' بابا فرید گنج شکر کے دوہے مل جائیں گے۔ سکھوں نے یہ کیا کہ اسلام سے توحید لے کر اسے اپنے ہندو مت کے اندر جذب کر لیا اور ذات پات کا معاملہ ختم کر کے اسلام کی ایسی دو بڑی چیزوں کو کہ جن کے اندر تسخیر کی قوت تھی' اختیار کر لیا اور اپنا ایک نظام بنا دیا۔ بھگتی تحریک اصل میں اس اعتبار سے ایک خاص موضوع ہے کہ جس پر اس نقطۂ نظر سے بھی غور وفکر ہونا چاہئے۔ یہ اصل میں ہندو معاشرے کا اسلام کی رفتار کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے دفاع کا ایک طریقہ تھا۔ انہوں نے یہ کیا کہ لوگوں کو اسلام کی جو چیز اچھی لگتی ہے وہ خود اپنے اندر جذب کر لو' لیکن اپنا تشخص

برقرار رکھو۔

دوسرا کام یہ کیا کہ چونکہ یہاں اسلام آیا ہی تصوف کے راستے سے تھا لہٰذا تصوف کے ذریعے یہاں ہمہ اوستی نظریات کا پرچار کر کے اسلام کے خاتمے کا معاملہ کیا گیا کہ یہ سب مذاہب تو ایک ہی ہیں' کیا فرق پڑتا ہے۔ مسجد مندر بکڑو نور' یعنی ایک ہی نور ہے مسجد میں بھی اور مندر میں بھی ـــــ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ـــــ رام کہہ لو' رحمٰن کہہ لو کیا فرق پڑتا ہے! کچھ فرق نہیں۔ بس خدا کو مانو' اچھے کام کرو' نیک کام کرو' بس۔ باقی یہ جو شریعت کا فرق ہے' مسلمان نماز ایسے پڑھ رہے ہیں' کوئی کسی اور طرح سے عبادت کر رہا ہے' تو یہ چیزیں معمولی ہیں' ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے' انہیں نظر انداز کرو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جلال الدین اکبر کے دورِ حکومت میں شریعت محمدی ﷺ کا جنازہ نکلنے کے قریب آ گیا تھا' جب دین اکبری یا دین الٰہی کی تدوین کی گئی اور شریعتِ محمدی ﷺ کے خاتمے کی کوشش کی گئی۔ ظاہر ہے کہ شریعتِ محمدی ﷺ کے حوالے ہی سے اس امت کا تشخص قائم ہے۔ اس کی شناخت درحقیقت شریعتِ محمدیؐ کے حوالے ہی سے ہے۔

یہ دو طریقے ہیں کہ جن کے ذریعے اسلام کو نرم چارہ بنانے کی کوشش کی گئی جن میں اکبر اور اس کا دین الٰہی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں تھا کہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سامنے آئے اور انہوں نے اکبر کے دین الٰہی کے تابوت کے اندر آخری کیل ٹھونک دی اور اسے ختم کر دیا۔ لیکن اس کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ شاہ جہاں کے بیٹوں یعنی اورنگ زیب کے بھائیوں میں سے داراشکوہ پوری طرح ہندو فلسفے سے متاثر تھا۔ اکبر کے نورتنوں میں ابوالفضل اور فیضی ہندو فلسفے سے متاثر تھے۔ گیتا کا جو فارسی ترجمہ فیضی نے کیا اس میں تو ہمہ اوست کا سارا تصور موجود ہے ؎

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ
خود رند سبوکش

خود برسر آں کوزہ خریدار بیامد
بشکست و رواں شد

''خود کوزہ'' یعنی خدا جو ہے وہ خود ہی کوزہ ہے'' وخود کوزہ گر'' یعنی جو کوزہ بناتا ہے وہ بھی خدا ہی ہے'' خود گل کوزہ'' اور یہ کوزہ جس مٹی سے بنا ہے وہ بھی خدا ہے۔ اب خدا کی تین حیثیتیں ہو گئیں۔ '' خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ''۔ '' خود رندِ سبوکش'' اور اس کوزے میں جو شراب بھر کر پیتا ہے وہ بھی خدا ہی ہے۔ ''بشکست و رواں شد'' پھر اس کے بعد کوزے کو توڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح ایک کھیل ہے کہ جو وہ کھیلتا ہے کہ اب پھر کچھ اور بنائے گا۔ یہ فلسفہ سارے کا سارا ہندوؤں کا ہے اور اس کو پھر بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ ظاہر ہے کہ فیضی کے انداز میں جو شعریت ہے اور اِس میں جو غنائیت ہے اس نے رنگ تو لانا تھا۔ اس سارے معاملے نے دینِ محمدی ﷺ' خاص طور پر شریعتِ محمدی ﷺ جس کا تعلق سنتِ رسول ﷺ کے ساتھ ہے' اس کے لئے گویا ہندوستان کے اندر فضا خراب کر دی۔

اس کے علاوہ ایک بہت بڑی غلطی مسلمانوں سے' خاص طور پر اہل علم سے یہ ہوئی کہ انہوں نے ہندو ذہن کو سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اسے اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ یہ تو ہمارے غلام ہیں اور ہم ان کے حاکم ہیں' محکوم قوم کے خیالات و نظریات کو سمجھنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟ اگر کسی نے سمجھا تو ابوالفضل اور فیضی نے۔ لیکن وہ خود اس کی رو میں بہہ گئے۔ اسی طرح داراشکوہ کا معاملہ ہوا۔ ان کے سامنے جو زوردار چیزیں گیتا اور اپنشد کی آئیں' وہ اس کے اندر بہہ گئے۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ جب تک آپ ہندو ذہن کو نہیں سمجھیں گے' جب تک آپ کو معلوم نہ ہو کہ ہندو ذہنیت کا صغریٰ کبریٰ کیا ہے' اس کی سوچ کیا ہے' اس کا فلسفہ کیا ہے' اُس وقت تک آپ ہندو کو اسلام کی تبلیغ نہیں کر سکتے۔ میری زندگی کے دو واقعے اس اعتبار سے بڑے عجیب ہیں۔

آج سے کوئی دس بارہ سال قبل میں بمبئی گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک ادارہ شمس پیر زادہ صاحب نے دعوۃ القرآن کے نام سے قائم کر رکھا ہے۔ یہ پہلے جماعت اسلامی ہند کے رکن ہوتے تھے' پھر علیحدہ ہو گئے' اور قرآن مجید کا ترجمہ قسط وار مراٹھی زبان میں شائع کر رہے تھے۔ مراٹھی مہاراشٹر کی زبان ہے۔ اس ترجمے کے ساتھ تھوڑے تھوڑے سے وضاحتی نوٹس بھی تھے۔ میں ان سے ملاقات کے لئے گیا' کیونکہ مجھے دعوۃ القرآن کے حوالے سے دلچسپی ہوئی۔ میں ان سے گفتگو کے دوران پوچھ بیٹھا کہ ویدوں کی کتنی تعداد ہے۔ مجھے معلوم تھا' لیکن میں اس کی توثیق کرنا چاہتا تھا۔ میں حیران ہوا جب انہوں نے جواب میں کہا ''مجھے نہیں معلوم''۔ میں نے کہا: ''آپ نے وید نہیں پڑھے؟'' جواب دیا کہ ''نہیں' اور مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ ہیں کتنے''۔ میں نے کہا: ''شمس پیرزادہ صاحب! آپ ذرا سوچئے' آپ ہندوؤں کو اسلام کی دعوت دینا چاہتے ہیں اور ہندو ذہن کو آپ جاننا ہی نہیں چاہتے' سمجھنا ہی نہیں چاہتے کہ ان کا صغریٰ کبریٰ ہے کیا؟ وہ کس بنیاد پر کھڑے ہوئے ہیں؟'' کہنے لگے کہ ''نہیں نہیں' میرے خیال میں اس کی کوئی ضرورت نہیں''۔ اس کے باوجود انہوں نے مجھے جو خطوط دکھائے تو ان میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو عورت کہ جو پروفیسر تھی' اس کا خط دیکھ کر میں بہت حیران ہوا۔ اس نے بڑے غصے کے ساتھ لکھا ہوا تھا کہ ''آج تک آپ اس قرآن کو کہاں چھپا کر بیٹھے ہوئے تھے؟'' یعنی آپ کے اس ترجمے کے ذریعے سے قرآن مجید سے ہمیں جو روشنی مل رہی ہے تو سوال یہ ہے کہ آج تک آپ نے اسے کیوں چھپایا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ عربی تو ہم بھی نہیں جانتے وہ کیا جانیں گے۔ جب ہم جو کہ اسلام کے ماننے والے اور اسلام کے شیدائی ہیں' ہمیں عربی نہیں آتی تو انہیں کیسے آ جائے گی؟ تو انہیں کیا پتہ کہ قرآن میں کیا لکھا ہے۔ مسلمان ہندوستان میں کتنے عرصے سے آئے ہوئے ہیں اور ترجمہ اب شروع کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں وہ خط پڑھ کر سنانے میں آ گیا کہ واقعتاً ہندوستان کے لوگ ہمارے خلاف اللہ تعالیٰ کی

عدالت میں دعویٰ دائر کر سکتے ہیں کہ اصل مجرم یہ ہیں کہ انہوں نے ہم پر حکومتیں تو کیں' تاج محل بھی بنائے' لیکن ہمیں تیری کتاب سے روشناس نہیں کیا۔ اِس تاج محل پر اُس وقت بیس کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا جبکہ شالامار باغ پر چند لاکھ روپے لگے تھے۔ چنانچہ آپ تقابل کیجئے۔ یہ بیس کروڑ روپیہ اگر عوام کی بہبود میں کام آتا' اس سے دین کی تبلیغ کے لئے کام لیا جاتا' ہندوؤں میں سے جو بھی convert ہو کر آئے تھے ان کو سہارا دینے کے لئے یہ روپیہ استعمال کیا جاتا تو یہ اقلیت اکثریت کا معاملہ ختم ہو چکا ہوتا۔ ہمارے پاس تو زبردست پیغام تھا' لیکن ہم نے اسے نہیں پہنچایا۔ ہم نے عیاشیاں کیں' بدمعاشیاں کیں' محل بنائے اور تاج محل بنائے' لیکن اصل کام نہیں کیا۔

ایک اور واقعہ میری زندگی کا بڑا عجیب ہے۔ ۱۹۹۰ء کے دورے کی بات ہے' میں رائے بریلی میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ملنے گیا' اب ان کا انتقال ہو چکا ہے' ان سے میں نے کہا کہ مولانا! باقی جو دینی مدارس ہیں وہ تو میری بات شاید سننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں گے' لیکن چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ترقی پسند دارالعلوموں میں شمار ہوتا ہے' لہٰذا میری تجویز یہ ہے کہ آپ یہاں سنسکرت کی تعلیم لازمی کریں' تاکہ جب آپ کا فارغ التحصیل عالم یہاں سے نکلے تو وہ سنسکرت کو بھی جانتا ہو' تاکہ وہ وید' پران اور ہندوؤں کی پرانی کتابیں پڑھ سکے اور ہندو ذہن کے اندر جھانک سکے کہ ان کے ذہن کے اندر ہے کیا۔ کہنے لگے کہ ہاں یہ آپ نے بڑی اچھی اور بہت عمدہ بات کہی' میں اس کی کوشش کروں گا۔ دو سال کے بعد شکاگو میں ملاقات ہوئی۔ اس لئے کہ مجھے ۱۹۹۰ء کے بعد سے بھارت نے ویزا دینا بند کر دیا تھا۔ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء تک تو مجھے ویزے ملتے رہے اور میں بھارت کئی دفعہ گیا ہوں' خاص طور پر حیدرآباد دکن کے میں نے کئی سفر کئے' لہٰذا پھر وہاں میرا جانا نہیں ہوا' لہٰذا مولانا سے شکاگو میں ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا کہ مولانا کیا اس پر کچھ کام کیا؟ کہنے لگے کہ بھائی میں تو بھول ہی گیا۔ اب یہ ہمارے سب سے زیادہ ترقی پسند اور بہت ہی بیدار مغز عالم دین کا حال

ہے کہ میری اس تجویز کو انہوں نے وہ اہمیت دی ہی نہیں کہ ان کے ذہن میں رہتی اور یاد رہتی۔

بہرحال اب ہندوستان میں کچھ کام ہو رہے ہیں۔ مولانا محمد منظور نعمانیؒ کے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن سجاد جو مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں' انگریزی اور اردو کے بڑے اچھے سپیکر ہیں اور وہ ہندوؤں میں کافی بڑے پیمانے پر کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک ڈاکٹر ہیں' ڈاکٹر ذاکر نائیک' ان کے والد بھی بمبئی کے بہت بڑے سائیکارٹسٹ تھے' یہ خود بھی ڈاکٹر ہیں' لیکن انہوں نے اب میری طرح ڈاکٹری وغیرہ چھوڑ دی ہے اور اب ہمہ وقت دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بمبئی میں اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ آج سے کوئی دس سال پہلے وہ خود بھی یہاں آئے اور ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے جو میرے سورۃ العصر کے درس کا ٹیپ سن کر آغا خانی سے مسلمان ہو گئے تھے۔ مجھے ان سے مل کر بڑی خوشی ہوئی تھی۔ بہرحال وہ دونوں حضرات آئے تو میرے دروس و خطابات کے ساٹھ ہزار روپے کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹ یہاں سے لے کر گئے۔ اس کے بعد وہاں انہوں نے باقاعدہ ایک ہال بنوایا ہوا ہے جہاں چوبیس گھنٹے دعوت عام ہے کہ لوگ جس وقت چاہیں آئیں۔ شاید پانچ کی تعداد مقرر ہے کہ کم از کم اتنی تعداد میں ناظرین ضرور ہونے چاہئیں۔ چنانچہ جب بھی اتنی تعداد میں لوگ آ جائیں چاہے وہ رات کے بارہ بجے آئیں یا ایک بجے' اسی وقت انہیں میرے ویڈیوز ٹیلی ویژن پر دکھا دیئے جاتے ہیں۔ مزید برآں' کیبل ٹی وی کے ذریعے سے ساڑھے آٹھ ہزار خاندانوں کو ہفتے میں دو دفعہ میرے درس قرآن کے ویڈیوز دکھا رہے ہیں۔ پاکستان میں اس کا کوئی سوال ہی نہیں' جبکہ بمبئی کے اندر یہ کام ہو رہا ہے۔ اور بھی کچھ ادارے ہیں جو یہ کام کر رہے ہیں۔ بہرحال اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ باشعور ہندو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہندو کوئی مذہب ہے ہی نہیں' یہ تو بس کلچر ہے۔ ہر طرح کے عقیدے اور ہر طرح

کے فلسفے اس میں موجود ہیں۔ چنانچہ بدترین شرک بھی ہے' شخصیت پرستی ہے' لیکن اعلیٰ ترین توحید بھی ہے۔ وحدت الوجود کا تصور جو توحید کی بلندترین شکل ہے' وہ بھی موجود ہے۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ہمہ اُوست اور وحدت الوجود میں فرق ہے۔ ہمہ اوست تو کفر اور شرک ہے جبکہ وحدت الوجود مختلف شے ہے۔ سورۂ حدید کی ایک آیت ﴿ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ﴾ کے ذیل میں مَیں نے تفصیل سے اس پر گفتگو کی ہے' جو حضرات دلچسپی رکھتے ہیں وہ اس کیسٹ کو سنیں۔

بہرحال اب ہندو فنڈامنٹلزم اپنے عروج کے بعد ایک زوال کا شکار ہے۔ اب یہ مناسب وقت ہے کہ قرآن کی دعوت کو بڑے پیمانے پر وہاں بیان کیا جائے اور اس کے لئے اردو زبان ایک بہت بڑا اثاثہ ہے' کیونکہ یہ پورے ہندوستان میں سمجھی جاتی ہے۔ یہ جو انہوں نے سخت' کرخت قسم کی ہندی ایجاد کی تھی کہ جس میں سنسکرت کے بہت سے الفاظ ڈال دیئے تھے' وہ مقبول نہیں ہو سکی۔ لہٰذا وہاں کی فلمیں بھی اردو میں بنتی ہیں اور فلم دیکھنے والے بھی اردو فلمیں ہی دیکھتے ہیں۔ عام دیہات میں تو خیر مختلف علاقائی زبانیں ہیں لیکن شہروں میں' گلیوں میں' سڑکوں پر' مارکیٹوں میں اردو زبان ہی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا اردو بہت بڑا asset ہے۔ اور اس وقت ہندوستان میں کم از کم بیس کروڑ' جبکہ عام لوگوں کے خیال کے مطابق پچیس کروڑ یعنی کل آبادی کا چوتھائی حصہ مسلمان ہیں۔ اگر ان کو قرآن حکیم کی تعلیم سے روشناس کرا کے متحرک (activate) کیا جائے اور وہ عمل انگیز قوت (Catalytic Agent) کی حیثیت سے ہندو قوم کے سامنے قرآن مجید کی دعوت پیش کریں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارا فرضِ منصبی بھی ہے اور ہمارے کرنے کا کام بھی ہے۔ جبکہ یہ ہماری دشمنیاں' اور پھر اس کے نتیجے میں ویزا وغیرہ کی جو پابندیاں لگا دی گئی ہیں اور آمد و رفت کو مشکل بنا دیا گیا ہے' اس سب کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دین کی دعوت تو رک گئی' اور ہمارا آنا جانا تو محدود ہو گیا' لیکن ثقافتی طائفے چلے آ رہے ہیں' سیکولر ذہن چلا آ رہا ہے۔ اور سونیا گاندھی کے

قول کے مطابق ہندوستانی فلموں کے ذریعے سے سماجی اعتبار سے تو گویا بھارت پاکستان کو فتح کر چکا ہے۔

آج کے موضوع کے حوالے سے آخری بات یہ کہ پاکستان کے Founding fathers کے نزدیک پاکستان کا اصل ایجنڈا کیا تھا؟ علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ''اگر ایسا ہو گیا' جیسا کہ میں دیکھ رہا ہوں اور جو تقدیر مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد ریاست قائم ہو گی اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرے پر جو بدنما داغ دورِ ملوکیت میں پڑ گئے تھے' انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل نقشہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں''۔ اب اسی بات میں میرے آج کے موضوع کے ساتھ مطابقت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اس طرح کہ اس دورِ ملوکیت میں ہی اسلام ہندوستان کے اندر آیا تھا۔ ہندوستان نے تو صرف دورِ ملوکیت والا اسلام ہی دیکھا ہے' اصل اسلام اس کے سامنے آیا ہی نہیں۔ اور دورِ ملوکیت سے پہلے کا اسلام خلافت راشدہ کا اسلام تھا۔ یہ تھا اصل ایجنڈا' یہ تھا اصل مقصد' یہ تھا درحقیقت ہمارا اصل ہدف۔ اب الحمدللہ قائداعظم کی بے شمار تقاریر پر مشتمل ہماری کتاب تیار ہو رہی ہے۔ اس کتاب میں ان کی وہ تحریریں اور تقریریں شامل ہیں کہ جن میں انہوں نے اسلام کے بارے میں عزم ظاہر کیا ہے۔ خاص طور پر ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب جو مرضِ وفات میں قائداعظم کے پاس موجود تھے' انہوں نے یہ بات بیان کی تھی کہ مرضِ وفات میں قائداعظم نے کہا تھا کہ ''تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ مجھے کتنا اطمینان ہے کہ پاکستان قائم ہو گیا۔ یہ کام میں تنہا نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ رسول خدا (ﷺ) کا فیض شامل نہ ہوتا۔ اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ یہاں اس ملک میں خلافتِ راشدہ کا نظام قائم کریں''۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب ٹی بی سپیشلسٹ تھے' اور چونکہ قائداعظم کی بیماری ٹی بی ہی تھی اس لئے ان کو خاص طور پر علاج کے لئے بلایا گیا تھا۔

آج میں نے آغازِ خطاب میں جو آیات تلاوت کی تھیں' اب ان کا ترجمہ پیش

کرتا ہوں۔ ان میں بحیثیت امت مسلمہ ہمارا رول بیان کیا گیا ہے: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ ''بلاؤ اپنے رب کے راستے کی طرف''۔ اب ہمارا یہ رول ختم ہو چکا ہے' دعوت کا انداز نہیں رہا۔ اب ہم دنیا کی دوسری قوموں کی طرح ایک قوم بن کر رہ گئے ہیں۔ ہمارا ان کے ساتھ فساد اور جھگڑا محض ایک قومی تصادم ہے۔ نہیں' بلکہ فرمایا: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ﴾ ''بلاؤ اپنے رب کے راستے کی طرف'' ﴿بِالْحِکْمَةِ﴾ ''حکمت کے ساتھ'' دانائی کے ساتھ۔ اس حکمت کے لئے پہلے اپنے مدمقابل قوم کی حکمت کو بھی سمجھنا چاہئے کہ ان کا فلسفہ کیا ہے؟ پھر کہیں جا کر آپ حکمت قرآنی اور حکمت ایمانی ان کے سامنے پیش کر سکیں گے ﴿وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ ''اچھے وعظ اور نصیحت کے ساتھ'' ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ ''اور اگر جدال اور مناظرہ بھی کرنا پڑے تو وہ بھی خوبصورت انداز میں ہونا چاہئے''۔ بات کو واضح کرنے کے انداز میں کہ آپ کا دین کوئی دین نہیں ہے' محض ایک پرانی شے ہے' کچھ روایتیں ہیں جنہیں آپ لے کر بیٹھے ہوئے ہیں' اس دین کی اصل شکل اسلام ہے ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ جیسا کہ اب ان کے ہاں آٹھ بڑے بڑے پنڈتوں نے تسلیم کیا ہے کہ ہم جس کالکی اوتار کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں محمد ﷺ وہ کالکی اوتار تھے اور وہ آ چکے ہیں' اور وہ ان پر ایمان لے آئے ہیں۔ وہاں تو یہ ہو رہا ہے' لیکن ہماری طرف سے تو دعوت نہیں دی گئی۔ یہ تو ان کا اپنا کارنامہ ہے' انہوں نے خود مطالعہ کیا ہے۔ ﴿اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ ''یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے کون ہیں وہ لوگ کہ جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہیں' گمراہ ہو گئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے ان کو بھی کہ جو ہدایت پر ہیں''۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ اللہ ہمیں ان لوگوں میں شامل کرے جو ہدایت پر ہیں۔ آمین!

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ ''(ہاں' کفار کے ساتھ مقابلہ

ہو) اور تمہیں کوئی بدلہ لینا ہو تو بس بدلہ بھی اتنا لو جتنا کہ انہوں نے تم پر زیادتی کی تھی''۔ برابر کا بدلہ لے سکتے ہو اس سے زائد نہیں۔ ﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴾ ''اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت بہتر ہے''۔ اس لئے کہ درحقیقت داعی بدلہ نہیں لیا کرتا۔ وہ تو پتھر مارے جائیں تو پھول پیش کرتا ہے' گالیاں دی جائیں تو دعائیں دیتا ہے۔ جیسا کہ آنحضور ﷺ کی زبان مبارک سے الفاظ نکلے: اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں جاہلیت میں' لاعلمی میں' ناواقفیت میں کر رہے ہیں۔ ﴿وَ اصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) صبر کیجئے! اور آپؐ کا صبر تو اللہ ہی کے سہارے پر قائم ہے''۔ ﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور (جو لوگ آپ کی بات کو رد کر رہے ہیں) ان کے بارے میں صدمہ محسوس نہ کیجئے''۔ ﴿وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ ''اور آپؐ کے مخالفین آپؐ کے خلاف جو چالبازیاں کر رہے ہیں ان سے آپ دل تنگ نہ ہوں''۔ ان کی وجہ سے ملول' غمگین اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا﴾ ''اللہ خود اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں'' ﴿وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ ''اور جو احسان کے مقام پر پہنچ جائیں''۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!! اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ!!!

میری گفتگو کا آخری نکتہ یہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے ایجنڈے کی جو آخری شق ہے جس پر کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہاں مسئول اور جواب دہ ہیں' وہ یہ کہ یہاں نظامِ خلافت راشدہ قائم کریں' یہ ہمارا فرض ہے' تاکہ دنیا کے لئے' بقولِ قائداعظم' لائٹ ہاؤس وجود میں آجائے' نور کا مینار' جس کو دیکھ کر وہ صحیح راستہ پکڑ سکیں تاکہ ان کے جہاز حادثے سے بچ جائیں۔

اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

تقسیم کشمیر کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کی تجویز کے جواب میں بھارت کی معروف سیاسی شخصیت سید شہاب الدین

کے تائیدی مراسلے کا اردو ترجمہ

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے آپ کے جریدہ کے تازہ شمارہ میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے آپ کی تجویز دیکھی ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ آپ کی یہ تجویز اس تجویز کے مشابہ ہے جو میں شروع سے پیش کرتا آ رہا ہوں۔ میرا موقف اس حقیقت پر مبنی ہے کہ یہ ریاست ایک کثیر النسلی اور تاریخی لحاظ سے مصنوعی ساخت کی حامل ریاست ہے۔ چنانچہ شمالی علاقے اور پیر پنجال سے نیچے کے جنوب مغربی' پنجابی بولنے والے حصے کو پاکستان میں شامل ہونا چاہئے جبکہ لداخ اور جموں کا حصہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہئے۔ وادی کو جو جغرافیائی' لسانی اور ثقافتی طور پر ایک شے ہے' پاکستان اور بھارت کی مشترک چھتری کے نیچے مکمل داخلی خود مختاری حاصل ہوتی چاہئے' جیسا کہ سپین اور فرانس کی سرحد پر واقع انڈورا (Andorra) کا معاملہ ہے۔ وادی کی تعمیر و ترقی' دفاع اور خارجی تعلقات کی ذمہ داری پاکستان اور بھارت مل کر ادا کریں۔ کشمیریوں کو پاکستان اور بھارت' دونوں کے اندر تعلیم اور تجارت کی غرض سے آنے جانے حتیٰ کہ رہائش رکھنے کی بھی اجازت ہو' لیکن اس کے برعکس پاکستان یا ہندوستان کے کسی شہری کو وادی میں جا کر آباد ہونے کی اجازت نہ ہو۔ میرے نزدیک یہی ایک حل ہو سکتا ہے جس سے تمام فریقوں یعنی بھارت' پاکستان اور کشمیریوں کے مفادات کی تکمیل ہوتی ہے۔

سید شہاب الدین

سابق ممبر پارلیمنٹ

ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف انڈیا

ایڈیٹر ماہنامہ مسلم انڈیا

امیر تنظیم اسلامی کے نام بھارت کے معروف سیاسی رہنما
سید شہاب الدین کے تائیدی مراسلے کا عکس

Syed Shahabuddin
IFS (Retd.) Ex-MP

Advocate Supreme Court of India
Editor, Muslim India Monthly

Residence : Flat 404, Block-8
East End Apts, Mayur Vihar-I Ext.
Delhi-110096

Office : Behind 29, Feroze Shah Road
New Delhi-110001

Tel/Fax : 378 2059, Resl. : 271 1354

17 February, 2000

My dear Dr. Asrar Ahmad Saheb,

In the latest issue of your journal, I have seen the solution to the Kashmir problem suggested by you. I am glad that this comes very close to what I have been suggesting since beginning.

My approach is based on the fact that the State is multi-ethnic and historically an artificial construct. Northern Areas and the south western region below the Pir Panjal which are Punjabi-speaking should be incorporated in Pakistan. Ladakh and Jammu should be integrated in India. The Valley of Kashmir which is a geographical, linguistic and cultural entity should enjoy, like Andorra on the border of Spain and France, complete internal autonomy, **under the joint umbrella of India and Pakistan,** which should together underwrite its development and be responsible for its defence and foreign relations

Kashmiris should have access to both India and Pakistan for education, trade and even residence while neither Indians nor Pakisantanis have the right to settle in the Valley.

In my view, this is the only feasible solution which serves the interests of all partners – India, Pakistan and the Kashmiris.

With kind regards,

Yours sincerely,

(SYED SHAHABUDDIN)

''اینڈورا''—— جس پر سپین اور فرانس کی مشترکہ حکمرانی ہے

اینڈورا (Andorra) یورپ میں ایک چھوٹا سا پہاڑی علاقہ ہے جس کے جنوب مغرب میں سپین اور شمال مشرق میں فرانس ہے۔ اس علاقہ پر ان دونوں ممالک کی مشترکہ حکمرانی ہے۔ صدر مقام انڈورا لاویلا (Andorra La Vella) ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے Charlemagne نے ۸۰۳ء میں مسلمانوں سے آزاد کرایا اور اس کے بیٹے لوئس اول نے یہاں کے باشندوں کو پروانۂ آزادی دیا تھا۔ بعد میں فرانسیسی اور ہسپانوی شہزادوں کے مابین حق ملکیت کے تنازعہ پر تیرہویں صدی عیسوی سے یہ علاقہ دو مالکوں کا باج گزار چلا آ رہا تھا۔ یورپ میں جاگیردارانہ نظام حکومت کی یہ آخری نشانی ۱۹۹۳ء تک قائم رہی، جس کے بعد ایک آئین کے ذریعہ دہرے مالکان کے اختیارات بہت حد تک کم کر کے وہاں کے عوام پر مشتمل انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔

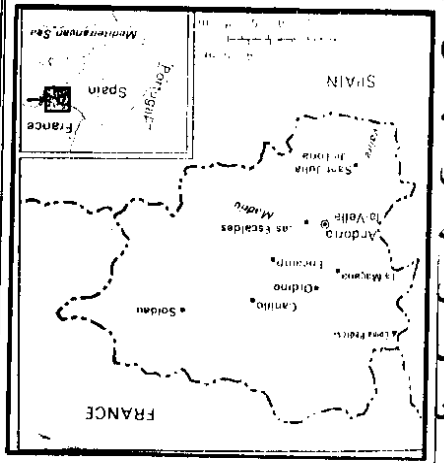

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے ماخوذ)

مسئلہ کشمیر کا قابلِ عمل حل

بیان پریس کانفرنس ۱۰ جولائی ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچھلے دنوں جب چوہدری شجاعت حسین صاحب بیرونی ممالک کے سفر سے واپس آئے تو انہوں نے قوم کو مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں تھرڈ آپشن یعنی کلیتاً آزاد و خود مختار کشمیر کی تجویز پر بھی غور کرنے کا مشورہ دیا' جس پر پورے ملک سے احتجاجی صدائیں بلند ہوئیں اور بعض حضرات نے الزام لگایا کہ یہ امریکہ کی پرانی تجویز کا اعادہ ہے۔ اس معاملے میں شک کا سبب یہ بھی تھا کہ چوہدری صاحب حال ہی میں امریکہ بھی گئے تھے اور وہاں ان کی بعض اہم اہل کاروں سے ملاقاتیں اور گفتگوئیں بھی ہوئی تھیں! چوہدری صاحب کے بیان پر خود مجھے بھی حیرت ہوئی اور میں نے فیصلہ کیا کہ ان سے بالمشافہ ملاقات کر کے ان کے مافی الضمیر کا پتہ لگایا جائے۔ چنانچہ میں نے ان سے ملاقات کا وقت مانگا۔ لیکن وہ اس پر میرا اکرام فرماتے ہوئے خود ہی میرے غریب خانے پر تشریف لے آئے۔ تب تفصیلی گفتگو سے واضح ہوا کہ ان سے اپنی بات کے بیان کرنے میں تسامح ہوا' ورنہ ان کی رائے بھی وہی ہے جو میں عرصہ دراز سے پیش کر رہا ہوں۔

میری وہ رائے جس کو دوبارہ بیان کرنے کے لئے میں نے آج آپ حضرات کو زحمت دی ہے' بہت پرانی ہے۔ اور اگرچہ ۱۹۹۵ء سے قبل کی تو کوئی بات ریکارڈ پر موجود نہیں ہے' تاہم ۲۵/اکتوبر ۹۵ء کو جو تحریری بیان میں نے اسی مقام پر پریس کانفرنس میں دیا تھا وہ ماہنامہ میثاق بابت ماہ نومبر میں شائع ہو گیا تھا۔ (اس کی فوٹو

سٹیٹ نقل پیش خدمت ہے)—— پھر جب اوائل ۲۰۰۰ء میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے تھنک ٹینک کی جانب سے تجویز آئی جو میری تجویز ہی کے مماثل تھی تو ۴ر فروری ۲۰۰۰ء کو میں نے اپنے خطاب جمعہ میں اسی بات کو دہرایا جس کی مختصر رپورٹ ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' برائے ۱۰ تا ۱۶ر فروری میں شائع ہوئی۔ اس پر ایک پُرزور تائیدی خط بھارتی مسلمانوں کے معروف و مشہور رہنما (انڈین فارن سروس کے ریٹائرڈ ملازم اور سابق ممبر پارلیمنٹ) سید شہاب الدین صاحب کا موصول ہوا' جس پر میں ان کا بہت شکر گزار ہوا۔ اس لئے کہ صرف وادی کشمیر کی حد تک آزادی کا تھرڈ آپشن جن شرائط کے ساتھ میں نے پیش کیا تھا اس کی ایک مثال بھی انہوں نے موجودہ دنیا کے ایک چھوٹے سے ملک اینڈورا (ANDORRA) کے حوالے سے دے دی۔ (''ندائے خلافت'' کی رپورٹ کا خلاصہ اور سید شہاب الدین صاحب کے خط کی فوٹو سٹیٹ بھی حاضر خدمت ہے!)

میرے نزدیک کشمیر کے مسئلے کے ضمن میں نہ صرف یہ کہ یو این او کی قراردادیں مدت ہوئی کہ دفن ہو چکی ہیں بلکہ گزشتہ نصف صدی کے دوران عالمی حالات نے جو رخ اختیار کیا ہے اس کے پیش نظر یو این او کے زیر اہتمام کسی ریفرنڈم سے نہایت خوفناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ایسی صورت میں ہمیں آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان کے علاقے بھی فوجی اعتبار سے خالی کرنے ہوں گے اور پورا یعنی سابق عظیم تر کشمیر یو این او کی تحویل میں چلا جائے گا۔ اور یو این او اب کرۂ ارضی کی سول سپریم پاور امریکہ کے تسلط میں ہے اور امریکہ علامہ اقبال کے قول ع ''فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے'' کے مصداق صہیونیت (Zionism) کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے' جس کے پیش نظر نیو ورلڈ آرڈر کے عنوان سے پوری دنیا میں یہود کا معاشی اور اقتصادی تسلط قائم کرنا ہے۔ اس ضمن میں ایک موقع پر امریکہ کی نائب وزیر دفاع برائے جنوبی ایشیا رابن رافیل نے صاف صاف بھی کہہ دیا تھا کہ بھارت سے اس کے زیر قبضہ کشمیر

نیا اتحادی اور آلہ کار بھارت بن گیا ہے ـــــ اور امریکہ کی خواہش ہے کہ بھارت سے پاکستان کو کسی درجہ میں رعایتیں دلوا کر اسے بالآخر بھارت کا طفیلی اور تابع مہمل نہیں تو کم از کم حاشیہ نشین ضرور بنا دیا جائے ـــــ اور پاکستان امریکہ چین کشاکش کے ضمن میں امریکہ اور بھارت کا اتحادی نہ سہی غیر جانبداری ضرور اختیار کر لے ـــــ میری رائے میں: ہمیں اس معاملے میں مستقبل بعید میں کیا ہوگا اور امریکہ اور بھارت کی کون کون سی خواہشات پوری ہوں گی اور کون سی نہ ہوں گی اس سے قطع نظر فوری طور پر اگر بھارت اور پاکستان کے مابین پچاس سالہ تنازعے کے حل کی کوئی قابل قبول صورت نکل سکتی ہو تو اسے حدیث نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد شدہ الفاظ ''عضوا علیہ بالنواجذ'' یعنی ''پکڑ لو اسے اپنی کچلیوں کے ذریعے'' کے مصداق لازماً اختیار کر لینی چاہیئے۔

افغانستان کے معاملے میں امریکہ کی حکمت عملی کے جو نتائج ماضی قریب میں سامنے آئے ہیں وہ الفاظ قرآنی ﴿اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَّاَکِیْدُ کَیْدًا﴾ کے مصداق بہت قابل توجہ ہیں (یعنی ''وہ اپنی سی چال چل رہے ہیں اور میں اپنی تدبیر کر رہا ہوں'' ـــــ سورۃ الطارق)۔ امریکہ نے افغان جہاد کے ذریعے اپنے مدمقابل USSR سے اپنی ویت نام کی شکست کا بدلہ تو چکا لیا اور USSR کو تحلیل بھی کرا لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک جانب پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی طرف سے غض بصر کرنے پر مجبور ہوا جس کے نتیجے میں پاکستان ایٹمی ممالک کی فہرست میں شامل ہو گیا اور دوسری طرف افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے امکانات روشن ہو گئے۔ پھر امریکہ نے تو یہ سمجھا تھا کہ افغانستان میں روس کے خلاف جن گروہوں نے جنگ میں حصہ لیا ان کی قیادت کا فنڈامنٹلزم کچھ جدید حالات و مسائل سے واقف ہونے کے باعث زیادہ ''خطرناک'' ہے جبکہ کٹھ ملا طالبان کو اپنے رخ پر ڈھال لینا آسان ہو گا' ابتداء میں طالبان کی حوصلہ افزائی کی یا کم از کم ان کی مخالفت نہ کی' لیکن اب وہی

طالبان ایک ٹھیٹھ اسلامی امارت قائم کر کے اس کے عالمی عزائم کی راہ میں مزاحم ہو گئے ہیں ——!—— اسی طرح اگر اب امریکہ مسئلہ کشمیر کو اپنے پیش نظر مقاصد کے تحت حل کرالے تو ہمیں یقیناً فائدہ ہوگا جبکہ مستقبل میں پاکستان کی روش کیا رہے گی' اس کے فیصلے میں پاکستان قطعاً آزاد ہوگا۔

اس طویل تمہید کے بعد عرض ہے کہ میری عرصۂ دراز سے یہ پختہ رائے ہے کہ——

(۱) کشمیر کے مسئلے کو تقسیم ہند کے متفق علیہ فارمولے کی روح کے مطابق اسی کے ایجنڈے کی ایک بقیہ شق کی حیثیت سے حل کیا جائے——!

(۲) یعنی یہ کہ اصولی اعتبار سے تو مسلم اور غیر مسلم آبادی کی اکثریت کی بنیاد پر جس طرح نہ صرف یہ کہ پورا ہندوستان تقسیم ہوا بلکہ صوبے بھی تقسیم ہوئے یہاں تک کہ بعض اضلاع بھی تقسیم ہوئے اسی طرح کشمیر کے اُس پورے مسلم اکثریت کے علاقے کو جو پاکستان کے ساتھ ملحق ہے' پاکستان کے حوالے کیا جائے اور غیر مسلم اکثریت کے ان علاقوں کو جو بھارت کے ساتھ ملحق ہوں' بھارت میں ضم کر دیا جائے۔ گویا صرف لداخ اور جموں کے وہ اضلاع جن میں غیر مسلموں کی اکثریت ہو' بھارت میں مدغم ہو جائیں اور بقیہ پورا بھارتی کشمیر پاکستان کے حوالے کر دیا جائے——

(۳) تاہم چونکہ بھارت کی رائے عامہ کے لئے اتنی بڑی قربانی کو ہضم (RECONCILE) کرنا تقریباً ناممکن ہے لہٰذا قابل قبول اور قابل عمل حل یہ ہے کہ (i) آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان حسب سابق پاکستان کے پاس رہیں اور انہیں باضابطہ صوبوں کی حیثیت دے کر پاکستان میں شامل کر لیا جائے (ii) اسی طرح لداخ اور جموں کے صرف بھارت سے ملحق غیر مسلم اکثریت کے علاقے بھارت میں ضم کر دیئے جائیں اور (iii) صرف وادی کشمیر اور اس سے ملحق لداخ اور جموں کے مسلم اکثریت کے اضلاع میں بھارت اور پاکستان اپنے مشترکہ اہتمام میں رائے شماری کرالیں اور اس میں یا بھارت یا پاکستان کے ساتھ ساتھ خودمختاری کا آپشن بھی شامل

کر دیا جائے' اس لئے کہ چونکہ نصف صدی کے دوران وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ چکا ہے' اور نہ صرف بھارت کے مقبوضہ کشمیر میں بلکہ آزاد کشمیر میں بھی ایک مضبوط لابی بھارت اور پاکستان دونوں سے علیحدہ آزاد کشمیر کے قیام کے حق میں پیدا ہو چکی ہے جن کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔ لیکن یہ آپشن اس شرط کے ساتھ مشروط ہونا چاہئے کہ داخلی طور پر کامل آزادی کے ساتھ ساتھ دفاع اور خارجہ امور کے ضمن میں وہاں بھارت اور پاکستان کا مشترکہ کنٹرول ہوگا تاکہ دنیا کی کوئی اور تیسری طاقت وہاں قدم نہ جما سکے!—— مزید برآں یہ کہ بھارت اور پاکستان دونوں ممالک کے شہریوں کو اس آزاد وادی میں آمد و رفت کا بغیر ویزا حق حاصل ہو۔ اور وادی کے لوگ بھی دونوں ملکوں میں آزادانہ آمد و رفت رکھ سکیں۔

میری تجویز کے اس آخری حصے کے ضمن میں بھارت کے سید شہاب الدین صاحب نے انڈورا کی مثال پیش کی ہے جو سپین اور فرانس کے درمیان سلسلہ کوہ پائرینیز کے دامن میں ایک چھوٹا سا ملک ہے جہاں صدہا برس سے فرانس اور سپین کے نمائندگان کی مشترکہ نگرانی میں آزاد حکومت قائم ہے—— اس کی تفصیل کے لئے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے READY REFERENCE EDITION کی جلد اول میں صفحہ ۳۸۷ سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

فقط

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

امیر تنظیم اسلامی پاکستان

کشمیر میں موجودہ جہاد بحیثیت مجموعی ''جہادِ حریت'' ہے

میں نے عوام اور حکمرانوں کی خیر خواہی کے جذبے سے مسئلہ کشمیر کے حل کی یہ تجویز پیش کی ہے

کشمیر کو خواہ شہ رگ نہ تسلیم کیا جائے تو بھی یہ پاکستان کے لئے ضروری ہے

پریس کانفرنس میں صحافیوں کے سوالات کے جواب میں امیر تنظیم اسلامی کی وضاحت

☆ ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کی حیثیت سے نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی یہ پاکستان کے لئے بہت ضروری ہے۔ تاہم ایک رائے یہ بھی ہے کہ کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس کی شہ رگ پر ۵۳ سال سے دشمن کا قبضہ ہو وہ زندہ رہ جائے۔

☆ ایک اور سوال کے جواب میں ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ افغانستان میں روس کے خلاف لڑائی جہاد فی سبیل اللہ نہیں ''جہاد حریت'' تھی۔ البتہ اب طالبان کی شمالی اتحاد سے جنگ' جہاد فی سبیل اللہ ہے' کیونکہ یہ خالص اسلامی حکومت کے تحت ہو رہا ہے' جس کے پیش نظر شریعت اسلامی کا نفاذ ہے۔ اسی طرح کشمیر میں موجودہ جہاد بحیثیت مجموعی جہادِ حریت ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ وہاں انفرادی طور پر کچھ لوگ غلبۂ دین کے لئے جہاد کر رہے ہوں۔ ایسے لوگ اپنی نیت کے مطابق اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے۔

☆ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ جس طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ نے سیاستدان نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کی اصلاح کے لئے اس دور میں مرہٹوں کے خلاف احمد شاہ ابدالی کو حملے کی دعوت دی تھی اسی طرح میں نے بھی ایک محبِ وطن پاکستانی اور دردمند مسلمان ہونے کی حیثیت سے عوام اور لیڈروں کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت مسئلہ کشمیر کے حل کی تجویز پیش کی ہے۔

☆ امیر تنظیم نے اس سوال کے جواب میں کہ موجودہ حکومت شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں' کہا کہ اسلام کے مطابق مسلم ملک میں اقتدار پر قابض رہنے والا مسلمان حکمران (جسے دینی اصطلاح میں ''متغلّب'' کہا جاتا ہے) اگر خلافِ شریعت کوئی کام نہیں کرتا تو اس کی حکومت شرعی طور پر جائز ہوتی ہے۔

پاک بھارت تعلقات۔قائداعظم کی نگاہ میں

26 فروری 48ء کو قائداعظم کی امریکی سفیر سے گفتگو کے آئینہ میں

Quaid's view about Pak-India Relations

This is the Quaid-i-Azam talking to Paul Alling, the first US ambassador to Pakistan, on February 26, 1948. "Nothing", Alling reported, the Quaid told him "was nearer to his heart" than friendly relations with India. "What he sincerely wished was an association similar to that between the United States and Canada". He also told the ambassador that he had told Nehru, Gandhi and others that "Pakistan desired a defensive understanding with India on a military level ...with no time limit, similar perhaps to the (US) arrangements with Canada." He also told Alling that India and Mountbatten had been less than fair to Pakistan on Kashmir and he was firmly convinced that Pakistan was the victim of a conspiracy.

(Excerpt from an article titled "Through American Eyes" by Khalid Hassan, Dawn: July 30, 2001)

قندِ مکرّر

صفحات آئندہ میں امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی سابقہ بعض تحریریں اور بیانات جو گزشتہ سات آٹھ سالوں کے دوران ماہنامہ ''میثاق'' اور ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' میں شائع ہوئے' ہدیہ قارئین کئے جا رہے ہیں کہ جن کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ مسئلہ کشمیر اور پاک بھارت کشیدگی کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب محترم کا موقف کسی امریکی تھنک ٹینک کی جانب سے پیش کردہ رپورٹ کا مرہون منت نہیں' ان کے اپنے غور و فکر کا نتیجہ ہے بلکہ موضوع زیر بحث کے بارے میں محترم ڈاکٹر صاحب کے موقف میں تسلسل کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ (ادارہ)

پاک بھارت کشیدگی: انگریز کی گھناؤنی سازش

شائع شدہ: میثاق، جولائی ۱۹۹۴ء

انگریزوں نے برِعظیم پاک و ہند کے بعض حصوں پر ایک سو برس سے کچھ زائد، اور بعض پر لگ بھگ دو سو برس تک حکومت کی۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ مقدم الذکر علاقہ کا جزوِ اعظم موجودہ پاکستان ہے، اور مؤخر الذکر کا اہم ترین حصہ مشرقی پاکستان تھا جو اَب بنگلہ دیش کی صورت میں موجود ہے۔ بہرحال اس عرصے کے دوران ہندوستان میں بسنے والوں کی چار پانچ سے لے کر آٹھ دس نسلوں تک انگریزوں کی غلامی میں گزریں۔ اب عمرانیات اور اجتماعی نفسیات کا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی ملک پر کوئی بیرونی قوم اس طرح اور اتنے عرصے تک قابض و حاکم رہے تو طبعی طور پر محکوم قوم میں اس کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، جو حصولِ آزادی کے وقت تو لازمی طور پر شدید ترین ہوتا ہے، خواہ بعد میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس میں کمی واقع ہو جائے۔ لیکن یہ ایک عجیب استثنائی معاملہ ہے کہ عین حصولِ آزادی اور تقسیم ہند کے وقت بھی انگریزوں کے خلاف نفرت نہ ہندوستان کے ہندوؤں میں تھی نہ مسلمانوں میں۔ بلکہ بڑے ملک یعنی بھارت نے تو آخری انگریز وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہی کو اپنا پہلا گورنر جنرل بھی بنالیا تھا۔ اور یہی معاملہ پاکستان کا بھی ہو جاتا اگر قائد اعظم ماؤنٹ بیٹن کی اس خواہش کو بلا جھجک رَدّ نہ کر دیتے۔ اور یہ بھی میرے نزدیک یقیناً اُس خدائے بزرگ و برتر کی خصوصی مشیّت ہی کے تحت ہوا، جس کی شان یہ ہے کہ: "وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ" (الاحزاب : ۵۳) یعنی "اللہ کو حق بات کے کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہوتی!" ورنہ کون نہیں جانتا کہ اس صورت میں پاکستان کا بستر ع "اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے" کے مصداق دراز ہوتے ہی تہہ

ہو جاتا۔ مزید بر آں یہ واقعہ بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ بعد میں بھی دونوں ملک طویل عرصے تک برطانیہ عظمیٰ کے زیرِ سرپرستی دولت مشترکہ میں شامل رہے' اور کافی عرصہ کے بعد ایک جذباتی مرحلے پر پاکستان نے اسے خیرباد کہا بھی تو بہت جلد اس پر اس کی جانب سے پچھتاوے کا اظہار ہوا۔

تو غور کرنا چاہئے کہ ع "ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا!" کے مصداق اس کا سبب کیا ہے؟۔

اس ضمن میں جہاں تک عین آزادئ ہند اور تقسیمِ ملک کے وقت کا تعلق ہے اس میں تو ہرگز کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ ع "یاد تھیں جتنی دعائیں صرفِ درباں ہو گئیں!" کے مصداق دونوں قوموں میں نفرت و انتقام کے جملہ جذبات ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی کشت و خون کی صورت میں ڈھل کر تحلیل ہو گئے اور سابق حاکم یعنی انگریز محکوم ہندوستانیوں کے اس طبعی ردِ عمل سے صاف بچ کر نکل گئے۔ البتہ اس ہندو مسلم منافرت اور بداعتمادی کے آغاز اور ارتقاء کے مختلف اسباب و عوامل اور ان کے مابین باہمی نسبت و تناسب کے بارے میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں مجموعی اعتبار سے تو جملہ اسباب و عوامل غالباً متفق علیہ ہی ہوں گے' تاہم ان کے تجزیئے کے ذریعے یہ تعیّن کرنا کہ ان میں سے کون سا عامل سب سے زیادہ مؤثر ثابت ہوا بہت گہری تحقیق و تفتیش کا محتاج ہے۔

ہندو مسلم منافرت کے وہ ممکنہ متفق علیہ عوامل حسب ذیل ہیں : (i) ہندوؤں کی عمومی تنگ نظری اور الگ تھلگ رہنے کا انداز' خصوصاً ان کا چھوت چھات کا نظام۔ (ii) برہمن کا سامراجی مزاج اور ویش اور کھتریوں کی چاپلوسانہ عیاری اور سود خوری کی وہ عادت جس کی بنا پر بنجمن فرینکلین نے یہودیوں کو خون چوسنے والی چمگادڑوں (VAMPIRES) سے تعبیر کیا تھا۔ (iii) مسلمانوں کی "ہزار سالہ" غلامی کا طبعی ردِ عمل۔ اور "آخری لیکن کمترین نہیں" کے مصداق (iv) انگریزوں

کی "لڑاؤ اور حکومت کرو کی حکمتِ عملی" جو کنزرویٹو پارٹی کی تو یقیناً عادتِ ثانیہ تھی' البتہ لیبر پارٹی میں اتنی راسخ نہ تھی! ---- بہرحال ان میں سے کون سا عامل اہم ترین اور مؤثر ترین تھا اور ان میں سے ہر ایک کا جدا جدا حصہ کتنا تھا' اگرچہ اس سوال کے واضح اور حتمی جواب کو فی الحال مستقبل کے محققین اور مؤرخین کے حوالے کیا جاسکتا ہے' تاہم اس میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ کم از کم برٹش راج کے آخری دور میں تو یقیناً آخری عامل ہی سب سے زیادہ مؤثر اور فیصلہ کن تھا۔

البتہ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ آزادی کے بعد بھی پاکستان اور بھارت کے مابین مسلسل دشمنی کی فضا اور ایک ایسی سرد جنگ کی کیفیت کیوں جاری رہی جس نے متعدد بار تو بالفعل آگ اور خون کی گرم بازاری کی صورت اختیار کی' اور ان کے علاوہ بہت سے مواقع ایسے بھی آئے کہ دونوں ملک سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۳ کے ان الفاظ کے مطابق کہ : "وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" یعنی "تم تو آگ کے گڑھے کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تھے!" باضابطہ جنگ کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے' یہ دوسری بات ہے کہ رحمتِ خداوندی نے اسی آیت کے اگلے الفاظ کہ : "فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا" یعنی "تو اللہ نے تمہیں اس سے نجات دی!" کی سی شان کے ساتھ بچالیا' چنانچہ آج کل پھر اس سرد جنگ کے گرم بھٹی کی صورت اختیار کرنے کا امکان بہت قریب آگیا ہے' اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے حالات کے پیش نظر پاکستان کے بعض نیم مذہبی اور نیم سیاسی رہنماؤں سمیت بعض صحافی اور دانشور بھی بار بار افواجِ پاکستان کو للکار رہے ہیں کہ "وہ اپنا فرض ادا کریں!" تو اس سوال کا جواب اگرچہ بالکل نوشتۂ دیوار کے مانند واضح ہے' تاہم سرحد کے دونوں جانب طالع آزما سیاستدانوں نے عوام کی جس نفسیاتی کیفیت کو پختہ کر دیا ہے اس کے باعث سب نے اس کی جانب سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اب جبکہ دونوں قوموں کی وہ نسل جو حصولِ آزادی کے بعد پیدا ہوئی انسان کے ذہنی و نفسیاتی بلوغ کے سخت ترین

قرآنی معیار یعنی چالیس سال کی عمر سے بھی آگے نکل چکی ہے (سورۂ احقاف: آیت ۱۵) دونوں جانب کے اصحابِ علم و فہم اور اربابِ دانش و بینش اس امر پر سنجیدگی سے غور کریں کہ پاک بھارت تعلقات کے "بہتے دریا" میں دونوں ملکوں کے عوام کے نصیب کی "سیاہی" ہی نہیں ان کے خون کی سرخی بھی کون گھول رہا ہے؟ اور آیا اس کے ازالے کی کوئی صورت ممکن ہے یا نہیں؟۔

بھارت کے عوام اور ہمارے مابین تو یقیناً گوناگوں نوعیت کے نفسیاتی حجابات پر مستزاد بہت سی مادی فصیلیں بھی حائل ہیں، جن کی بنا پر ہماری بات کا ان تک پہنچنا بہت مشکل ہے، لہٰذا کیوں نہ اس سنجیدہ سوچ بچار کا آغاز ہم پاکستانی مسلمان کریں؟ اس لئے کہ ہمارے لئے تو یہ مسئلہ اس اعتبار سے بھی بہت اہم ہے کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے دونوں سب سے بڑے علمبرداروں، یعنی مصور و مفکرِ پاکستان علامہ اقبال، اور معمار و مؤسسِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح، نے تقسیم کے بعد کے حالات کے ضمن میں جو خواب دیکھے تھے وہ اس صورت حال کے بالکل برعکس تھے۔ چنانچہ اس ضمن میں قائداعظم نے تو صرف یہ کہنے پر اکتفا کی تھی کہ "بھارت اور پاکستان کے تعلقات ایسے ہی ہوں گے جیسے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مابین ہیں"۔ لیکن علامہ اقبال نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے خطبہ الٰہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) میں یہ تک فرمادیا تھا کہ "ہندوستان کے شمال مغرب میں واقع مسلم ریاست ہر نوع کی جارحیت کے مقابلے میں ہندوستان کے دفاع کا فریضہ بہترین طور پر سرانجام دے گی، خواہ وہ جارحیت نظریات کی ہو خواہ ہتھیاروں کی!" تو غور طلب بات ہے کہ کیا ہمارے یہ دونوں مسلّمہ قائد، خاکم بدہن، بالکل بے بصیرت اور کودن تھے؟ کہ انہوں نے ہندو مسلم مفاہمت اور پاک بھارت تعاون کی جس سحر کی نوید سنائی تھی وہ نہ صرف یہ کہ فیض کے ان اشعار کے مصداق ابھی تک طلوع نہیں ہوئی بلکہ مستقبل میں بھی دور دور تک اس کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے:۔

یہ داغ داغ اُجالا یہ شب گزیدہ سحر
کہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے دوست کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں!

اس گھمبیر سوال کا صاف و صریح اور حتمی و قطعی جواب صرف یہ ہے کہ نہ ہمارے قائد بے بصیرت تھے' نہ موجودہ صورت حال تقسیم کے فارمولے کا منطقی نتیجہ ہے' بلکہ اس پوری صورت حال کا واحد سبب مسئلہ کشمیر ہے جو انگریزوں کی عیاری' بد نیتی' خیانت اور بے ایمانی کا عظیم ترین شاہکار ہے۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انگریزوں کو مسلمانانِ کشمیر کی "قومِ نجیب و چرب دست و تر دماغ" کے ساتھ کیا ازلی بغض اور خدائی بیر تھا کہ لگ بھگ سو سال پہلے تو انہوں نے اس پوری قوم کو ع "قومے فروختند وچہ ارزاں فروختند" کے مطابق چند لاکھ ٹکوں کے عوض ہندو ڈوگروں کے ہاتھوں بیچ دیا۔ اور پھر عین تقسیم کے وقت اولاً ایک انگریز یعنی ریڈ کلف نے اپنے بدنامِ زمانہ "اوارڈ" کے ذریعے ریاست جموں و کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کی راہ ہموار کر دی جو نہ صرف یہ کہ تاریخی و جغرافیائی' اور مذہبی اور ثقافتی جملہ اعتبارات سے پاکستان کا جزِ لاینفک اور خاص طور پر آبی وسائل کے نقطۂ نظر سے پاکستان کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے' اور جو اس بنیادی اصول کے مطابق جو تقسیمِ ہند کے لئے طے ہوا تھا' یعنی یہ کہ مسلم اکثریت والے تمام "ملحق علاقے" پاکستان میں شامل ہوں گے' قطعی طور پر پاکستان کا حصہ بنتی تھی۔ اور بعد میں جب ریاست کے مسلمانوں نے بغاوت کی اور اس صریح بے انصافی اور بد دیانتی کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا' اور پاکستان کے عوام اور بالخصوص قبائلی پٹھانوں نے ان کی مدد کی' اور اس مسئلے کے آخری حل کے لئے پاکستان کی فوج کی بس ذرا سی امداد کی کسر رہ گئی تھی' تو ایک دوسرے انگریز یعنی افواجِ پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے قائد اعظم کی

خواہش بلکہ حکم کے علی الرغم آڑے آکر اس حق تلفی کے فوری ازالے کا راستہ مسدود کر دیا۔ چنانچہ معاملہ یو این او کے سپرد ہوا اور پینتالیس برس سے اس کی فائلوں میں دفن پڑا ہے۔

وہ دن اور آج کا دن بھارت اور پاکستان کی حکومتیں اور عوام اپنے سابقہ غیر ملکی حکمرانوں کے اس کردار کا مزہ چکھ رہے ہیں جو سورۂ بقرہ کی آیات ۲۰۴ اور ۲۰۵ کے ان الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝

"بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حیات و معاملاتِ دنیوی میں ان کی (چکنی چپڑی) باتیں تمہیں بہت اچھی لگتی ہیں اور وہ اپنی نیتوں پر خدا کو گواہ بھی بناتے رہتے ہیں ' حالانکہ وہ بدترین دشمن ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ پیٹھ پھیرتے ہیں (ذرا نوٹ فرمائیں یہ الفاظِ مبارکہ انگریزوں کی ہندوستان سے واپسی پر کس قدر عمدگی کے ساتھ چسپاں ہو رہے ہیں) تو زمین میں فساد برپا کرنے کی سعی کرتے ہیں تاکہ (اس کے ذریعے) زمین کی کھیتی اور انسانوں کی نسل کو ہلاک کر دیں!"

چنانچہ اس عرصے کے دوران بھارت اور پاکستان کے مابین کئی خونریز جنگیں بھی ہو چکی ہیں جن میں ہزاروں انسان ہلاک اور معذور ہوئے ' لاتعداد عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوئے ' اور ارب ہا ارب روپے کے مالی نقصان دونوں ملکوں کو ہوئے۔ مزید برآں عوام کے خون پسینے کی کمائی کا بڑا حصہ بجائے عوامی بہبود اور تعلیم و ترقی کے مسلسل بڑی بڑی فوجوں کو "کھڑی" رکھنے اور مہلک اسلحہ کی خرید میں صرف ہوتا رہا۔ پھر ان کی باہمی چپقلش سے وقت کی دونوں سپر پاورز نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اگر پاکستان

نے اپنے "بچاؤ" کے لئے امریکہ کی "پناہ" حاصل کی تو بھارت نے روس کا دامن تھاما' اور اس طرح دونوں ملک ان کی سرد جنگ میں ملوث ہو گئے۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ سرد جنگ کے اصل فریقوں یعنی روس اور امریکہ کے مابین تو یہ جنگ ہمیشہ "سرد" ہی رہی' جبکہ بھارت اور پاکستان کے مابین اس کی بھٹی بار بار دھکتی رہی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے" کا مظہرِ اتم یہ ہے کہ اس پورے عرصے کے دوران بھی انگریز دونوں ملکوں کے نہ صرف مشترک دوست بلکہ مربّی و سرپرست' اور ناصح و ثالث بالخیر بنے رہے' اور آج بھی میر تقی میرؔ کے اس بدنامِ زمانہ شعر کے مصداق کہ۔

میرؔ کیا سادہ ہیں' بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطّار کے "لڑکے" سے دوا لیتے ہیں!

کشمیر کے مسئلے کے حل کے لئے ہمارے یہاں اکثر و بیشتر دہائی دی جاتی ہے انگریز کے سرپرست امریکہ کی' اور حوالہ دیا جاتا ہے اس کے خانہ ساز ادارے یو این او کی قراردادوں کا۔

بہرحال اس ذہنیت اور طرزِ فکر پر تو "بایں عقل و دانش بباید گریست!" کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے' لیکن اصل ضرورت اس کی ہے کہ ہم سنجیدگی کے ساتھ فیصلہ کریں کہ آیا ہمیں واقعات و حوادث کے اس دریا میں جس کا رخ ہماری سادہ لوحی پر مبنی خوش اعتقادی اور حسن ظن' اور اغیار کی دشمنی اور عیاری کے باعث ایک خاص سمت میں موڑ دیا گیا تھا چار و ناچار بہتے ہی چلے جانا ہے' خواہ اس کے نتائج کتنے ہی مضر اور ہولناک ہوں' یا ہمت سے کام لے کر اس کے رخ کو بدلنے کی کوشش کرنی ہے!

پاک بھارت مفاہمت اور مسئلۂ کشمیر کا حل

ہندو مسلم منافرت اور پاک بھارت مخاصمت کے قدیم اور تاریخی اسباب کو بالکل ختم کر دینا تو ظاہر ہے کہ اب ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ "گیا وقت" تو منفی اور مثبت دونوں کہاوتوں کے اعتبار سے ہماری دسترس سے باہر ہے۔ یعنی ع "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں!" اور "میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں!" لہٰذا پاک بھارت مفاہمت کی کسی بھی کوشش میں ہر اعتبار سے اولیت اور اہمیت موجودہ مسائل ہی کو دینی ہوگی جن میں سرِفہرست مسئلۂ کشمیر ہے۔

تاہم اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ماضی سے متعلق بعض مزعومہ مسلّمات پر بھی کسی قدر تنقیدی نگاہ ڈال لی جائے کہ ان میں حقیقت کتنی ہے اور افسانہ آمیزی کتنی۔ اس لئے کہ اس سے مفاہمت کے لئے ذہنی تیاری میں مدد مل سکتی ہے۔

برہمن اور بنیئے کے بارے میں ہمارے یہاں جو تصورات پتھر کی لکیر کی مانند پختہ ہو گئے ہیں انہیں "زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو" کے مصداق اگر کسی درجہ میں تسلیم کر بھی لیا جائے یعنی یہ کہ برہمن کا عمومی مزاج سامراجی ہے اور وہ یہودیوں کی مانند اپنے آپ کو ایک بالاتر اور برتر مخلوق گردانتا ہے اور بنیئے کی ذہنیت بھی بالعموم یہودیوں ہی کی ایک دوسری صفت یعنی سود خوری اور اس سے پیدا شدہ چاپلوسانہ عیاری کے کردار کا عکس ہے جس کی بہترین تعبیر "منہ میں رام رام بغل میں چھری" کے الفاظ سے ہوتی ہے، تب بھی ایک جانب تو یہ اٹل اصول ناقابلِ تردید ہے کہ ؎

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!

گویا نہ سب برہمن ایک ہی مزاج کے حامل ہیں نہ تمام بنیئے ایک ہی سی سرشت رکھتے ہیں۔ (خاص طور پر ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال کی صورت میں جو "برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز" عطا فرمایا اس کی مثال بہت ہی نمایاں ہے!) اور دوسری جانب ہندو معاشرے میں کھشتری اور راجپوت بھی تو ہیں جن کی غیرت و حمیت' شرافت و مروت اور وسیع القلبی اور فراخ حوصلگی ضرب المثل ہے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر وہ پسماندہ قومیں بھی تو ہیں جو خود اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی ستم رسیدہ ہیں اور اگرچہ ماضی میں تو وہ "بابندگی خُوگرفتہ" اور ع "ہم بھی تسلیم کی خُوڈالیں گے!" کی مصداقِ کامل بنی ہوئی تھیں لیکن اب ہندوستانی معاشرے میں پوری قوت کے ساتھ ابھر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ شمالی ہند کی یوپی اور بہار جیسی کٹر ہندو ریاستوں میں ان ہی میں سے بعض یعنی "یادو" وزارتِ علیا پر بھی فائز ہو گئے۔ پھر تعداد میں بھی وہ بقیہ تینوں طبقات سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں!

اس ضمن میں لکھنؤ (یوپی' بھارت) سے شائع ہونے والے قدیم اور مؤقر دینی و علمی ماہنامے "الفرقان" کی ایک حالیہ اشاعت کے اداریہ کے حسب ذیل اقتباسات بہت اہم ہیں:

"ایک غلطی بہت مدت سے ہم ہندوستانی مسلمانوں سے ہو رہی ہے اور اس کے بہت سخت نقصانات ہم اٹھاتے چلے آ رہے ہیں ـــ وہ غلطی یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں بسنے والے اکثریتی فرقہ کو ایک "قوم" سمجھتے ہیں' حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے ـــ اس غلطی کا سب سے بڑا نقصان یہ رہا ہے کہ اسی کی وجہ سے ہم اس مرعوبیت اور احساسِ کمتری سے نکل نہیں پا رہے ہیں' جو ایمانی کمزوری کے علاوہ اپنی اور اس "قوم" کی تعداد اور سیاسی اور معاشی پوزیشن کے مابین زبردست فرق کو دیکھ کر ہمارے اوپر چھایا ہوا ہے ـــ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانی سماج وحدت کی کوئی بنیاد نہیں رکھتا ـــ اس کو ایک متحدہ مذہبی تشخص عطا کرنے اور ان سب کو ایک گروہ بنا دینے اور اسے اکثریت کی

خلعتِ فاخرہ پہنا دینے کی سازش اصل میں انگریزوں اور برہمنوں کے اشتراکِ عمل کے نتیجے میں، اور ہماری سادہ لوحی اور یہاں کے سماجی و مذہبی نظام سے براہ راست ناواقفیت کی وجہ سے کامیاب ہوئی ہے — لیکن اب صاف طور پر نظر آ رہا ہے کہ اس ملک کے مظلوم طبقات ذِلت و غلامی کے طوق سے اپنی گردن آزاد کرانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہندوستان کے سماجی ڈھانچہ کو بدلنے اور برہمنی جبر و استبداد سے نکلنے کی آواز پہلی بار لگی ہے، پہلے بھی یہ کوشش ہوتی رہی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ اب جہاں تک پہنچ گیا ہے وہاں تک کبھی نہیں پہنچا تھا اور شاید اب یہ بات آگے ہی بڑھتی جائے گی۔"

پھر ہمارے لئے تو سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ بھارت میں صرف ہندو ہی تو آباد نہیں ہیں، مسلمان بھی ہیں، اور اگر بھارتی مسلمانوں کی عام رائے کو تسلیم کر لیا جائے تو وہ اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ بھارت کو دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والا مسلمان ملک قرار دیا جا سکتا ہے۔ (عام سرکاری اعداد و شمار کی رُو سے بھی دنیا بھر میں صرف ایک انڈونیشیا ایسا ملک ہے جو بھارت سے زیادہ تعداد میں مسلمان آبادی کا دعویٰ کر سکتا ہے۔) اور انگریزوں کی آمد سے قبل مسلم انڈیا کی پوری تاریخ کے دوران بعض حکمرانوں اور مقتدر اشخاص کی ذاتی حرص و آزیا بوالہوسی کی بنا پر ہونے والی زیادتیوں اور مظالم کے انفرادی واقعات، اور ان کے ضمن میں بھی حقیقت اور افسانہ کے تناسب کی تحقیق سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ کبھی کسی بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فساد یا تصادم کی تاریخ موجود نہیں ہے۔ بلکہ صورت حال وہ رہی ہے جس کا نقشہ اسی "برہمن زادہ" نے ان الفاظ میں کھینچا تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ ۔

اے شیخ و برہمن سنتے ہو کیا اہلِ بصیرت کہتے ہیں
گردوں نے کتنی بلندی سے ان قوموں کو دے پٹکا ہے

یا باہم پیار کے جلسے تھے' دستورِ محبت قائم تھا
یا بحث میں اردو ہندی ہے' یا قربانی یا جھٹکا ہے

تو کیا یہ مسئلہ واقعتاً غور طلب نہیں ہے کہ ـــ "کون" معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں؟۔

اس مقام پر اس بات کا حوالہ بھی یقیناً دلچسپی کا موجب ہو گا کہ بھارت کے ایک ہریجن لیڈر پالانی بابا نے اپنے ایک کتابچے میں' جو ۱۴۔ عزیز ملک اسٹریٹ نمبر۵' مدراس' تامل ناڈو سے شائع ہوا ہے' ہندوؤں کے سرکردہ مذہبی رہنما پوری شنکر آچاریہ کے اس قول کے حوالے سے کہ "اچھوت ہندو نہیں ہیں!" یہ دعویٰ کیا ہے کہ بھارت میں "ہندو" اکثریت میں نہیں بلکہ اقلیت میں ہیں' اس لئے کہ بقول ان کے "بھارت کی کُل آبادی کے ۲۵ فیصد اچھوت ہیں' ۲۰ فیصد مسلمان ہیں' ۳ فیصد عیسائی ہیں' ۲ فیصد سکھ ہیں' اعشاریہ سات فی صد بدھ مت کے پیروکار ہیں۔ اور اس طرح بھارت کی غیر ہندو آبادی کل آبادی کا لگ بھگ ۵۱ فیصد بن جاتی ہے۔"

مزید برآں' اس ضمن میں بھی بعض حقائق ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی کی تاریخ کے حوالے سے ان دونوں قوموں کے مابین تلخی کا زہر گھولنے کا سب سے مؤثر کام بھی بعض انگریز محققین اور مؤرخین ہی نے سرانجام دیا۔ جس کی سب سے نمایاں مثال ایودھیا کی بابری مسجد کا معاملہ ہے' اس لئے کہ اس کے بارے میں یہ تحقیق کہ یہ رام جنم استھان پر بنی ہوئی ہے ایک انگریز ہی کی جانب منسوب ہے۔ اور پھر ایک دوسرے انگریز یعنی سول جج نے بجائے مسئلے کو حل کرنے کے مسجد پر تالا ڈال کر اور مقدمے کو طول دے کر پورے معاملہ کو ایک ٹائم بم بنا کر رکھ دیا جو لگ بھگ سو برس بعد شدید ترین دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ اور ہندو مسلم کشیدگی میں ایک نئے باب کے اضافے کا ذریعہ بن گیا۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔ بہرحال ان جملہ حقائق کے علی الرغم یہ بات اپنی جگہ بالکل کوہ ہمالیہ کے مانند اٹل ہے کہ مسئلہ کشمیر کے

منصفانہ حل کے بغیر پاک بھارت تعلقات میں مستقل اور پائیدار بہتری کی کوئی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن اصل غور طلب بات یہ ہے کہ خود مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمارے پاس کون کون سے آپشن موجود ہیں' اور وہ کس کس حد تک قابلِ عمل بھی ہیں اور متوقع طور پر نتیجہ خیز بھی؟

سب سے پہلے جنگ کو لیجئے جس کی آج کل بار بار دہائی دی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ فی الواقع اور خصوصاً بحالاتِ موجودہ کوئی قابلِ عمل حل ہے؟ کیا ہم جنگی صلاحیت کے اعتبار سے بھارت کے مقابلے میں آج کی نسبت ۶۵ء میں کہیں زیادہ بہتر حالت میں نہیں تھے؟ پھر اگر اُس وقت کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی تو آج اس کی کتنی امید کی جا سکتی ہے؟

مسلمانانِ کشمیر پر بھارت کی ننگی جارحیت اور بے پناہ ظلم و بربریت کے خلاف پاکستان کی جانب سے کھلا اعلانِ جنگ صرف اس صورت میں ہو سکتا تھا کہ ہمیں اپنے موقف کے مبنی برحق و انصاف ہونے کے ساتھ ساتھ سورۂ آل عمران کی آیت : ۱۶۰ کے ان الفاظ مبارکہ کے مطابق کہ : "اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ" یعنی "اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا!" اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کا یقین بھی حاصل ہوتا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سودی معیشت کے نظام کو جاری رکھنے کے باعث خود ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ برسرِ جنگ ہیں' لہٰذا فرمانِ نبویؐ : "وَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ؟" یعنی "ایسے شخص کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟" کے مطابق ہمیں اللہ کی نصرت و تائید کی امید کیسے ہو سکتی ہے! بنابریں لے دے کر سارا معاملہ صرف مادی اسباب و وسائل کی کمیت اور کیفیت کا رہ جاتا ہے' جس کا تقابلی جائزہ اور موازنہ آئے دن اخبارات کی زینت بنتا رہتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اس مستقل سنت کا مظہر ہے کہ: "کُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّکَ" (بنی اسرائیل : ۲۰) یعنی "ہم انہیں اور

انہیں (یعنی طالبانِ دنیا اور طالبانِ آخرت) سب کی آپ کے رب کے فضل و عطا سے مدد کرتے رہتے ہیں!" کہ اس نے ہمیں اولاً ۱۷ء میں سابق صدر امریکہ 'آنجہانی رچرڈ نکسن کے دل میں وہ بات ڈال کر جسے اُس وقت اندرا گاندھی نے "پرو پاکستان ٹِلٹ" سے تعبیر کیا تھا' اس سے روسی وزیر اعظم کوسی جن کو ہاٹ لائن پر الٹی میٹم دلوایا جس کے حکم کے تحت اندرا گاندھی نے "یک طرفہ جنگ بندی" کا اعلان کیا' جس کے نتیجے میں ہمیں بارگاہِ خداوندی سے "مَتَاعٌ اِلٰی حِین" یعنی مزید مہلتِ عمل مل گئی۔ پھر یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اسی سنت کا مظہر ہے کہ بعد میں اس نے ہمیں اپنے خصوصی فضل و کرم سے خالص معجزانہ طور پر ایٹمی صلاحیت کے ذریعے ایک مؤثر ڈٹرنٹ عطا فرمادیا اور یہ بھی صرف اس لئے کہ اس کی حکمت و مشیت میں ابھی ہمارے "فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ" ("پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو!" الاعراف : ۱۲۹) والے امتحان کی مہلت اور مدّت ختم نہیں ہوئی ہے۔ جس پر ہمیں سورۂ انفطار کے ان الفاظِ مبارکہ کے مطابق کہ "یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ" یعنی "اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے مہربان رب (کی جانب سے مہلت کی طوالت کے باعث اس کے مکافاتِ عمل کے قانون) کے بارے میں دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے؟" کے مصداق ہرگز دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ اس لئے کہ سورۂ اعراف کی آیت ۳۴ اور سورۂ یونس کی آیت ۴۹ میں وارد شدہ الفاظ کے مطابق یہ مہلت کسی بھی لمحہ ختم ہو سکتی ہے۔ اور پھر جب یہ اچانک ختم ہو جائے گی تو اس میں مزید توسیع و تاخیر کسی طرح ممکن نہ ہو گی' بفحوائے : "فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ" (الاعراف : ۳۴) یعنی "پھر جب ان کی وہ معیّنہ گھڑی آجائے گی تو نہ یہ لوگ ایک ساعت آگے بڑھ سکیں گے نہ پیچھے ہی کھسک سکیں گے!"

مزید برآں سب جانتے ہیں کہ یہ ایٹمی صلاحیت بھی صرف "ڈٹرنٹ" ہی ہے یعنی صرف بھارتی جارحیت کے خلاف ڈھال کا کام دے سکتی ہے۔ اسے خود بھارت پر حملہ

کرنے کے لئے استعمال کرنے کا خیال جنت الحمقاء میں رہنے کے مترادف ہے۔ گویا نتیجے کے اعتبار سے یہ بھی جنگ کے "آپشن" کی نفی کے مترادف ہے!۔

رہا مسلمانانِ کشمیر کا سرفروشانہ اور بے مثال جہادِ حریت تو اس کے ضمن میں بھی جذبات سے ہٹ کر عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ کہ کسی کھلم کھلا اور ٹھوس بیرونی امداد کے بغیر آخر وہ اسے حکومت پاکستان کی صرف اخلاقی اور سفارتی مدد اور بعض نجی اداروں کی جانب سے چوری چھپے' اور وہ بھی اونٹ کے منہ میں زیرہ کے بقدر' امداد کے بل پر کب تک جاری رکھ سکیں گے؟

واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بھی بہت سے حلقوں' بالخصوص مذہبی گروہوں' کی جانب سے عوام کو بہت بڑے بڑے مغالطے دیئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ اولاً جہادِ افغانستان کا حوالہ دیا جاتا ہے' حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس معاملے میں ایک سپر پاور کی کھلم کھلا' اعلانیہ اور فیصلہ کن مالی اور جنگی مدد حاصل تھی (جس کی بہتی گنگا میں خود پاکستان کے بہت سے مقتدر افراد اور مذہبی جماعتوں نے خوب خوب ہاتھ دھوئے!)۔ لہٰذا کشمیر کے معاملے میں افغانستان کا حوالہ قیاس مع الفارق کی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانیاً اس کے ضمن میں سورۂ نساء کی آیت ۷۵ کا حوالہ بھی بہت شدّ و مد کے ساتھ دیا جاتا ہے' یعنی :

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝

"(اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان کمزور و مجبور مردوں' عورتوں اور بچوں (کی مدد) کے لئے جنگ نہیں کرتے جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے حمایتی اور مددگار پیدا فرما!"

لیکن اس حقیقت کو جان بوجھ کر نظرانداز کر دیا جاتا ہے کہ اس آیت کے مخاطب مدینہ منورہ کے وہ مسلمان تھے جنہوں نے خود اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار' اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے پورے معاشرے میں اللہ کے دینِ حق کے عادلانہ نظام کو بالفعل قائم' اور اس کی شریعت کے احکام کو بہ تمام و کمال نافذ کر دیا تھا۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ایک جانب تاحال ہم کتاب و سُنّت کی کامل بالادستی کا قولِ ثقیل زبانی کلامی طور پر بھی' اور اس دور میں بھی ادا نہیں کر سکے جبکہ ہمارے ملک میں اس نام نہاد "اسلامی جمہوری اتحاد" کی حکومت قائم تھی جس میں ملک کی تقریباً تمام قابلِ لحاظ مذہبی جماعتیں شامل تھیں اور اس حکومت کو پارلیمنٹ میں دو تہائی اکثریت بھی حاصل تھی جس کے ذریعے دستور میں بآسانی مطلوبہ ترمیم کی جا سکتی تھی۔ دوسری جانب خود ہمارے عوام کی عظیم اکثریت ایک طرف جاگیرداروں اور وڈیروں کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہی ہے تو دوسری طرف سودی معیشت کی پیدا کردہ شدید مہنگائی' افراطِ زر' اور بے کاری کی آگ میں جل رہی ہے' اور تیسری جانب سیاسی عدم استحکام نے ملک کی سلامتی اور سالمیت کو مخدوش' اور مہیب و ہولناک کرپشن اور کروڑوں اور اربوں کے غبن اور خرد برد نے ملک کو دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچا دیا ہے۔

ان حالات میں سورۂ نساء کی متذکرہ بالا آیت کے حوالے سے "جہادِ کشمیر" کا غلغلہ بلند کرنے والوں کو یا تو عوامی چندوں میں سے اپنے کمیشن کے حصول کا لالچ ہو سکتا ہے' یا اولاً اپنی ذات اور اپنے دائرۂ اختیار میں شریعت کے بالفعل نفاذ' اور پھر اپنے پورے ملک اور معاشرے میں اسلام کے نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن قربان کرنے کا کھکھیڑ مول لئے بغیر ع "کتنا حسیں فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم!" کے مصداق "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" کے بلند و بالا مرتبہ و مقام پر فائز ہونے کا "حسین فریب" کھانے کا شوق ہو سکتا ہے — ورنہ ع "پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی!" کے مصداق کہاں سورۂ نساء کی اس آیتِ مبارکہ کے مخاطب اصحابِ رسول

(صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور کہاں ہم پاکستانی مسلمان! ع "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!"

پاکستان اور بھارت کی کھلی جنگ یا مسلمانانِ کشمیر کے مسلح جہادِ حریت کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے دوسرا آپشن یا متبادل راستہ یہ ہے کہ یو این او کے ذریعے' اور اس کی پینتالیس سال پرانی قراردادوں کے مطابق کشمیر میں استصواب کرانے کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے خود بھی ایک جانب براہ راست دوبارہ یو این او کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور دوسری جانب اس کے ذیلی اداروں' جیسے مثلاً حقوقِ انسانی کے کمیشن وغیرہ کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو ہموار کر کے بھارت پر دباؤ بڑھایا جائے۔

یہ راستہ نظری اعتبار سے تو سب سے سیدھا اور اس قضیئے کے حل کے لئے بظاہر بالکل "صراطِ مستقیم" اور "سواء السبیل" کے مصداق نظر آتا ہے' لیکن اب سے تین چار سال قبل تک تو اس کی راہ میں یو ایس ایس آر کا ویٹو بھی حائل تھا' اور امریکہ کی عدم دلچسپی بھی سدِ راہ تھی' لیکن اب چونکہ ایک جانب خلیج کی جنگ اور یو ایس ایس آر کی تحلیل بلکہ تجہیز و تکفین کے بعد بظاہر ویٹو کا خطرہ بھی ٹل گیا ہے اور دوسری جانب امریکہ نے بھی گہری دلچسپی لینی شروع کر دی ہے' لہٰذا اس کا منطقی نتیجہ تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم ساری امیدیں اسی آپشن سے وابستہ کر دیں' لیکن نئی عالمی صورت حال میں یہ آپشن ہمارے لئے نہایت مہلک اور خطرناک بن گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ' جیسے کہ ع "جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے!" کے مصداق عالمی حالات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے' اب امریکہ کو "سول سپریم پاور آن ارتھ" یعنی روئے ارضی کی واحد عظیم ترین قوت کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور وہ اپنی اس حیثیت کو پوری طرح بروئے کار لانے کے لئے "نیو ورلڈ آرڈر" کے قیام کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہا ہے' جس کے لئے یو این او اس کے

خانہ ساز بلکہ "خانہ زاد" ادارے کی حیثیت سے آلۂ کار کا کام کر رہا ہے۔ اور چونکہ اب اس نیو ورلڈ آرڈر کے کلی تسلط کی راہ میں واحد عظیم طاقت جو کسی حد تک بالفعل سدِ راہ بنی ہوئی ہے وہ تو صرف چین ہے' البتہ ایک غیر اہم درجہ میں شمالی کوریا بھی ہے' اور سودے بازی اور بلیک میلنگ کی حد تک بھارت بھی' پھر عوامی جذبات کے اعتبار سے پاکستان بھی کسی حد تک سدِ راہ ہے' اور حکومت کی سطح پر فنڈامنٹلسٹ ہونے کے ناتے ایران بھی۔ مزید برآں مستقبل کے اندیشوں کے اعتبار سے افغانستان بھی امریکہ کے لئے "توجہ طلب" ہے تو روسی ترکستان کی حال ہی میں آزاد ہونے والی مسلم ریاستیں بھی' لہٰذا امریکہ کو اس پورے علاقے میں "پولیس مین" کا کردار ادا کرنے کے لئے ایک دوسرے "اسرائیل" کی شدید ضرورت ہے!

اس تناظر میں اندھے کو بھی نظر آ سکتا ہے کہ ۔ "الٰہی خیر میرے آشیاں کی۔ زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی!" کے مصداق چچا سام کی نظریں کشمیر پر مرکوز ہو گئی ہیں کہ اسے بھارت اور پاکستان دونوں سے "واگذار" کرا کے یا تو ایسی "آزادی" عطا کر دی جائے جو ۔ "اس نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا۔ کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے!" کی مصداقِ کامل ہو۔ یا انتداب کے نام سے کشمیر کے "میر" کو یو این او کی "زلفوں کا اسیر" بنا دیا جائے۔ اور اس طرح مشرقی ایشیا کے عین قلب میں ایک دوسرا "اسرائیل" قائم کر دیا جائے' جہاں سے بیک وقت چین' بھارت' پاکستان' افغانستان اور ترکستان سب کو کنٹرول کیا جا سکے۔

کشمیر کے بارے میں امریکہ کے یہ عزائم اگرچہ چند ماہ قبل امریکہ کی نائب وزیر خارجہ برائے جنوبی ایشیا مسز رابن رافیل کے بیان دہی سے طشت از بام ہو گئے تھے تاہم اس سلسلے میں تفصیلی حقائق حال ہی میں بھارت کی دفاعی ریسرچ ٹیم کے سربراہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) افسر کریم کی مرتب کردہ رپورٹ کے ذریعے منظرِ عام پر آئے ہیں۔ جس کے مطابق امریکہ کے "خود مختار کشمیر" کے اس منصوبے میں مقبوضہ کشمیر اور آزاد

کشمیر کے علاوہ لداخ کے کچھ علاقے بھی شامل ہیں' اور یہ کہ: "اس سلسلے میں امریکہ نے بھارتی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے اپنی ایک خصوصی ٹیم جو ماہرین پر مشتمل ہے بھارت بھجوادی ہے!" چنانچہ فوری طور پر امریکہ کے ان "ماہرین" کا یہ کارنامہ بھی منصۂ شہود پر آچکا ہے کہ "آل پارٹیز حریت کانفرنس" کے نام سے کشمیری مسلمانوں کی تمام سیاسی جماعتوں اور گوریلا گروپوں کا جو مشترکہ پلیٹ فارم وجود میں آیا ہے اس کے دستور میں "آزاد و خود مختار کشمیر" کو بھی ایک متبادل آپشن کی حیثیت سے شامل کرلیا گیا ہے! مزید برآں' ہوا کے نئے رخ کا اندازہ درگاہ حضرت بال سرینگر میں ۳۲ دن محصور رہنے والے کشمیری لیڈر اور حریت پسند تنظیم "آپریشن بالاکوٹ" کے کمانڈر انچیف عمر خالد کے اس انٹرویو کے تیکھے انداز سے بھی بخوبی ہو سکتا ہے جو روزنامہ جنگ لاہور کی ۱۱/ مئی کی اشاعت میں شائع ہوا ہے' جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ: "کشمیری پاکستان سے مایوس ہو گئے ہیں اور مقبوضہ کشمیر میں خود مختاری کا نظریہ فروغ پانے لگا ہے" اور "پاکستان اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عمل نہیں کرا سکتا تو اس سے الحاق کے لئے قربانیاں دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے!" وقِس علٰی ذٰلک! جس پر حزب المجاہدین کے سپریم کمانڈر غلام محمد صفی صاحب کو بھی کچھ بے بسی کے سے انداز میں کہنا پڑا کہ "کشمیری مجاہدین کی تنظیموں میں بھارتی ایجنٹ داخل ہو گئے ہیں!" بہرحال ع "قیاس کُن زگلستانِ من بہار مرا!" کے مطابق اس سے حالات کی سنگینی کا پورا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس صورت حال میں عافیت اسی میں ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے اس دوسرے اور بظاہر سیدھے آپشن کا خیال قطعی طور پر ذہن سے نکال دیا جائے۔ ورنہ استصوابِ رائے کے لئے بھارت اور پاکستان دونوں کی افواج کے دونوں کشمیروں سے انخلاء کے بعد ظاہر ہے کہ کشمیر کا مستقبل کُلی طور پر یو این او کے رحم و کرم پر ہو گا جس کے پردے میں امریکہ اس بندر کا روائتی کردار بآسانی ادا کر سکے گا جس نے دو بلیوں کے مابین روٹی

کی "منصفانہ تقسیم" کے بہانے پوری روٹی خود ہضم کرلی تھی جبکہ دونوں بلیاں منہ دیکھتی رہ گئی تھیں!

گویا مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہمیں تھرڈ آپشن کو اختیار کرنا ہوگا جو بھارت یا پاکستان میں سے کسی کے ساتھ الحاق کے ساتھ "آزاد و خود مختار کشمیر" کا تھرڈ آپشن نہیں، بلکہ پاک بھارت جنگ یا یو این او کی ثالثی کی بجائے پاکستان اور بھارت کے مابین براہِ راست مذاکرات کے ذریعے مفاہمت کی کوشش کا تھرڈ آپشن ہو! جس کے لئے دونوں ملکوں کے اصحابِ دانش و بینش کی حد تک تو زمین بہت کچھ ہموار ہو چکی ہے، لیکن دونوں ملکوں میں قائم انگریز کا موروثی پارلیمانی نظام سب سے بڑی سدِ راہ ہے۔ اس لئے کہ حکومتیں اگر مفاہمت اور اصلاحِ حال پر آمادہ ہوتی بھی ہیں تو دونوں ملکوں کی اپوزیشن پارٹیاں سینتالیس سال کے دوران سرحد کے دونوں جانب کے عوام کی راسخ ہو جانے والی اجتماعی نفسیات کو مشتعل کر کے کسی اقدام کو ناممکن بنا دیتی ہیں! جس کا سب سے نمایاں مظہر یہ ہے کہ متعدد دو طرفہ مسائل کے ضمن میں معاہدات کی جملہ تفاصیل طے ہو جانے اور ان پر جانبین کے پوری طرح متفق ہو جانے کے باوجود ان پر دستخطوں کی نوبت نہیں آپاتی!

کاش کہ پاکستان اور بھارت دونوں کے عوام و خواص سب کو اس صورت حال کا صحیح صحیح اندازہ ہو جائے اور یہ دونوں ملک سو سالہ ہندو مسلم منافرت اور سینتالیس سالہ پاک بھارت مخاصمت کی "دیوارِ برلن" میں کوئی فیصلہ کُن شگاف ڈالنے کا انقلابی قدم اٹھا سکیں۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تقسیم کشمیر...... ایک قابلِ عمل فارمولا

امیر تنظیم اسلامی کی چھ سال قبل پیش کردہ تجویز

بیان پریس کانفرنس ۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشمیر اور کراچی کے پیچیدہ و گھمبیر مسائل کے حل اور بدلتے ہوئے حالات میں پاکستان کے لئے نئی خارجہ حکمت عملی کے ضمن میں میری رائے حسب ذیل عالمی' علاقائی اور ملی وملکی مشاہدات وآراء پر مبنی ہے:

۱) جس طرح چند سو سال قبل یورپی عیسائی نوآبادیاتی سیلاب نے ایشیا اور افریقہ اور بالخصوص عالم اسلام پر حملہ کیا تھا اسی طرح اور اس کے باوجود کہ ع ''دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز!'' کے مصداق ابھی اس نوآبادیاتی استعمار کی بساط پورے طور پر لپٹنے بھی نہ پائی تھی کہ اب دوبارہ ایک عالمی استعمار کا سیلاب مغرب سے مشرق کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اس بار یہ استعمار عالمی صہیونی تحریک کے آلہ کار کی حیثیت سے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کے حسین نام کے تحت امریکہ اور اس کے یورپی اتحادیوں اور ان کی ادنیٰ کنیز یو این او کے ذریعے پیش قدمی کررہا ہے۔

۲) بدقسمتی سے عالم عرب تقریباً کل کا کل اس نئے یہودی عالمی استعمار کے شکنجے میں کسا جا چکا ہے اور اس ضمن میں تو یہودیوں کے مابین صرف یہ اختلاف باقی رہ گیا ہے کہ سیکولر صہیونی قیادت کی حکمت عملی یہ ہے کہ عظیم تر اسرائیل کے قیام کے ذریعے عربوں اور پوری دنیا کے مسلمانوں میں شدید ردعمل پیدا کرنے کی بجائے یورپی مشترکہ منڈی کی طرح شمالی افریقہ اور مغربی ایشیا کے مسلمان ممالک کا ایک تجارتی اور

صنعتی بلاک بنانے پر اکتفا کیا جائے جس میں سرمایہ اور تیل اور غیر فنی محنت مزدوری عربوں کی ہوگی اور ٹیکنالوجی اور مینجمنٹ (Management) ہماری' لہٰذا بالائی اور مکھن ہم کھائیں گے اور چھاچھ لسی عربوں کو دیتے رہیں گے..... جب کہ کٹر مذہبی یہودی اس پر اڑے ہوئے ہیں کہ اپنی دیرینہ امنگوں کے مطابق نیل سے فرات تک اور مشرقی ترکی اور شمالی حجاز بشمول مدینہ منورہ عظیم تر اسرائیل قائم کیا جائے..... (ان دونوں عناصر کے مابین مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے ''تیسرا ہیکل'' تعمیر کرنا متفق علیہ ہے' جس کی جانب کسی بھی سہانی صبح کو پیش قدمی ہو سکتی ہے!)

۳) اس نئے عالمی استعمار کے راستے میں عالم اسلام میں سے تو واحد رکاوٹ اور وہ بھی بہت قوی نہیں' ایران' پاکستان اور افغانستان کے ''مسلم فنڈامنٹلسٹ'' رہ گئے ہیں۔ البتہ غیر مسلم ممالک میں سے ایک عظیم عسکری قوت کی حیثیت سے چین اور ایک عظیم صنعتی طاقت کی حیثیت سے جاپان فوری مسئلہ ہیں' جبکہ عددی قوت کے لحاظ سے بھارت اور ایٹمی صلاحیت کے اعتبار سے روسی ترکستانی ممالک کے کبھی آئندہ پریشان کن بن جانے کا امکان ہے۔

۴) ادھر امریکہ کی جنوبی اور مغربی ریاستوں کے کٹر عیسائیوں میں یہودیوں کے خلاف وہی ردعمل شدت کے ساتھ پیدا ہو چکا ہے جو نصف صدی قبل جرمنی میں پیدا ہوا تھا اور لاتعداد ملیشیائیں ایک سول وار کی تیاری میں مصروف ہیں' جن کی ایک ادنیٰ جھلک حال ہی میں اوکلاہامہ بم کی صورت میں دیکھی جا چکی ہے..... بنابریں عالمی یہودی استعمار اپنے ایجنڈا کی فوری تکمیل کے لئے بے تاب (Desperate) ہو چکا ہے اور دراصل اسی بناء پر خلیج کی جنگ کے فوراً بعد نیو ورلڈ آرڈر کا نعرہ اور اس کے معاً بعد پاکستان پر ہر ممکنہ دباؤ اور اس کے ایٹمی پروگرام کے خلاف کھلے کروسیڈ کا آغاز ہوا' اور اس کے ساتھ ساتھ کشمیر' کراچی اور گوادر کی جانب توجہات مبذول ہوئیں۔ ان میں سے اصل ٹارگٹ خطہ جنت نظیر کشمیر ہے!

۵) ادھر میرے تجزیئے کے مطابق مستقبل کے اس عظیم دجالی فتنے کے استیصال کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے اسرائیل کے قیام سے بھی ایک سال قبل خالص معجزانہ طریق پر پاکستان قائم فرما دیا تھا۔ جس نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو قرارداد مقاصد کی صورت میں نعرۂ تکبیر بھی بلند کر دیا تھا۔ لیکن افسوس کہ پھر ہم کچھ ''اوروں کی عیاری'' اور کچھ ''اپنوں کی سادگی'' کے باعث اپنی منزل سے منحرف ہو گئے جس کے نتیجے میں اس وقت نہ صرف یہ کہ ہم خود اپنے داخلی انتشار' اقتصادی و معاشی بدحالی اور سماجی توڑ پھوڑ کے نتیجے میں تباہی کے دہانے پر کھڑے ہیں بلکہ کچھ ''عالمی گدھ'' بھی ہمارے شمال و جنوب پر منڈلا رہے ہیں!

۶) اس پس منظر میں اب سے دو تین سال قبل کشمیر کے مسئلے پر امریکہ کو جو دلچسپی پیدا ہوئی ہے وہ ہرگز خطرے سے خالی نہیں ہے اور عالمی یہودی استعمار سیکولر کشمیری نیشنلزم کو ابھار کر پورے کشمیر کو اس کے جملہ باج گزار علاقوں سمیت ایک بظاہر آزاد ملک بنا کر ایشیاء کے عین قلب میں چین' بھارت' پاکستان' افغانستان اور ترکستان میں اپنی ریشہ دوانیوں کا مرکز بنانا چاہتا ہے۔ اس طرح گویا اس صدی کے آخر میں امت مسلمہ کے خلاف وہی ڈرامہ رچایا جا رہا ہے جو اس کے آغاز میں عرب نیشنلزم کو ہوا دے کر سلطنت و خلافت عثمانیہ کا چراغ گل کرنے کی صورت میں کھیلا گیا تھا۔

۷) اندریں حالات ہمارے لئے صحیح خارجہ حکمت عملی یہ ہے کہ:

(i) اپنی جملہ مساعی کو پاکستان' افغانستان' روسی ترکستان اور ایران پر مشتمل ایک مسلم بلاک کی تشکیل پر مرکوز کر دیں۔

(ii) ایک جانب چین کے ساتھ دوستی اور تعاون کے رشتے کو از سر نو مضبوط کریں..... اور دوسری جانب بھارت کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے' تنازعات کو حل کرنے اور تجارتی و مواصلاتی تعلقات کو بڑھانے کی جانب فیصلہ کن اقدام کریں۔

۸) کشمیر کے خوفناک ترین مسئلے کے حل کے ضمن میں میری رائے یہ ہے کہ:

(i) اسے امریکہ یا یو این او کے ذریعے حل کرانے کی کوشش ترک کر دی جائے اور چچا سام کو کم از کم اس مسئلے میں ''سلام'' کہہ دیا جائے اور یو این او سے بھی اپنا پان دان اٹھالے جانے کی درخواست کی جائے۔

(ii) اس کا حل شملہ معاہدے کے مطابق بھارت کے ساتھ براہ راست دوطرفہ گفتگو کے ذریعے جلد از جلد ''کچھ دو کچھ لو'' کے اصول پر کر لیا جائے اور اس ضمن میں ایران اور چین کی خیر سگالی کو بروئے کار لایا جائے۔

(iiil) اسے ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہند کا نامکمل ایجنڈا قرار دیتے ہوئے اور پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طرح حل کیا جائے کہ:

ا) آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات کو پاکستان میں ضم کر لیا جائے اور صوبوں کی حیثیت دے دی جائے۔

ب) اسی طرح جموں اور لداخ کے غیر مسلم اکثریت والے علاقوں کو بھارت اپنی ریاستیں بنالے ——— اور

ج) وادی کی حد تک بھارت اور پاکستان اپنے ہی اہتمام میں ریفرنڈم کرا لیں اور صرف وادی کی حد تک بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کے ساتھ ساتھ آزادی کا تھرڈ آپشن بھی دے دیا جائے' اس شرط کے ساتھ کہ اس کو داخلی خود مختاری تو پوری حاصل ہو لیکن خارجہ پالیسی اور دفاع کے معاملے پر بھارت اور پاکستان کی مشترکہ نگرانی ہو۔

اگر ایسا نہ کیا گیا تو عنقریب بھارت اور پاکستان دونوں روایتی بلیوں کے مانند دیکھتے رہ جائیں گے..... اور عظیم تر کشمیر کی پوری روٹی کو عالمی یہودی استعمار کا بندر ہڑپ کر جائے گا۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک

مسئلہ کشمیر

تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کیا جائے

امیر تنظیم اسلامی کے ۴ر فروری کے خطابِ جمعہ سے ماخوذ

شائع کردہ: ندائے خلافت' ۱۰ تا ۱۶ فروری ۲۰۰۰ء

حال ہی میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک تھنک ٹینک نے جس میں یہودیوں کی اکثریت شامل ہے' مسئلہ کشمیر کے حل کے ضمن میں ایک تجویز دی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جموں اور لداخ کا علاقہ ہندوستان کو دے دیا جائے جبکہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے پاس رہنے دیا جائے اور وادی کشمیر کو آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے۔ ہمیں اس رائے سے محض اس لئے اختلاف نہیں کرنا چاہئے کہ یہ یہودیوں کے ذہن کی اختراع ہے۔ البتہ میری رائے میں اس تجویز کا آدھا حصہ قابل عمل ہے اور آدھا حصہ غلط ہے۔ اس فارمولے میں خامی یہ ہے کہ وادی کو اگر امریکہ یا یو این او کے رحم و کرم پر آزادی دے دی گئی تو اندیشہ ہے کہ ہارٹ آف ایشیا میں ایک نیا اسرائیل قائم ہو جائے گا۔

اگرچہ اس سے پہلے امریکہ کی سکیم یہ تھی کہ پاکستان' ہندوستان اور چین سے کشمیر کے سارے علاقے واپس لے کر یہاں ایک آزاد ریاست کی صورت میں امریکی اڈہ قائم کیا جائے' لیکن اللہ کا کرم ہوا اور بعض اطلاعات کے مطابق آئی ایس آئی نے امریکہ کی یہ سکیم ناکام بنا دی ہے۔ موجودہ صورت حال میں اس کا درست حل یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر کو تقسیم ہند کے نامکمل ایجنڈے کے طور پر حل کرتے ہوئے بھارت سے ملحقہ ہندو اکثریتی علاقوں یعنی جموں اور لداخ کو بھارت میں ضم کر دیا جائے اور اسی فارمولے کے تحت موجودہ آزاد کشمیر کو وادی سمیت پاکستان کا حصہ

قرار دے دیا جائے۔

تاہم مناسب ہو گا کہ اس سارے عمل میں یو این او یا امریکہ کی ثالثی قبول نہ کی جائے بلکہ بھارت اور پاکستان دونوں باہمی مفاہمت سے یا پھر چین اور ایران کو ثالث مان کر اس مسئلے کو حل کریں تاکہ کوئی بیرونی طاقت اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر کشمیر میں قدم نہ جمانے پائے۔

دراصل بھارت کی کسی بھی حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کشمیر کے بارے میں اپنی عوام کے جذبات کے برعکس کوئی فیصلہ کر سکے لہٰذا یہ معاملہ تبھی حل ہو سکتا ہے جب بھارت اور پاکستان میں موجودہ تناؤ ختم ہو اور افہام و تفہیم کی فضا پیدا ہو۔ ویسے بھی بھارت نے گزشتہ دس سال کے عرصہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ فوج کشمیر میں رکھ کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ اپنے وسائل و ذرائع میں رہتے ہوئے اس مسئلے سے لمبے عرصے تک نبرد آزما رہنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جبکہ ہماری اقتصادی بدحالی کی ایک اہم وجہ مسئلہ کشمیر بھی ہے جس کے باعث ہم بھارت کے ساتھ کم و بیش ہر وقت ایک سرد جنگ کی کیفیت میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ جتنی جلدی حل ہو سکے اتنا ہی بہتر ہو گا۔ چنانچہ اس مسئلے کے حل کی ایک کم تر صورت بھی ہو سکتی ہے جسے بھارتی عوام اور حکومت افہام و تفہیم کے بعد قبول کرنے پر تیار ہو سکتے ہیں۔ یعنی جموں اور لداخ بھارت میں ضم ہو جائیں اور موجودہ آزاد کشمیر مستقلاً پاکستان کا حصہ بن جائے اور صرف وادی کی حد تک استصواب کرا لیا جائے کہ وہ بھارت کے ساتھ ضم ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ۔ اور اگر وادی کے لوگ تھرڈ آپشن کے حق میں فیصلہ دیں تو صرف وادی کو اس شرط پر آزاد ریاست کا درجہ دے دیا جائے کہ اس علاقے کو کسی بیرونی طاقت کا اڈہ نہیں بننے دیا جائے گا۔

مسئلہ کشمیر کے متعلق مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا مفصل انٹرویو

جواُن کے ایک متنازعہ بیان کی وضاحت کی خاطر اسلامک نیوز سروس کے نمائندہ خصوصی نے لیا

(شائع شدہ روزنامہ ''تسنیم'' لاہور' ۱۱راگست ۱۹۴۸ء)

سوال: ایک ذمہ دار خطیب صاحب نے آپ پر یہ الزام عائد کیا ہے کہ آپ نے کشمیر میں شہید ہونے والوں کی موت کو حرام موت قرار دیا ہے اور انہیں جہنمی کہا ہے۔ کیا واقعتاً ایسا ہے؟

جواب: یہ بات میں نے کبھی نہیں کہی۔ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ جب تک حکومت پاکستان نے حکومت ہند کے ساتھ معاہدانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں' پاکستانیوں کے لئے کشمیر میں ہندوستانی فوجوں سے لڑنا ازروئے قرآن جائز نہیں ہے۔ میرے اس قول کو لے کر ایک منطقی ہیر پھیر کے ذریعہ سے یہ نتیجہ نکال لیا گیا ہے کہ جب ایسا کرنا جائز نہیں ہے تو جو لوگ وہاں لڑ کر مارے جاتے ہیں وہ ضرور حرام موت مرتے ہیں اور جہنمی ہیں۔ پھر اپنے نکالے ہوئے اس نتیجہ کو زبردستی مجھ پر تھوپ دیا گیا کہ یہ میرا قول ہے۔

یہ دراصل تکفیر بازوں کا بہت پرانا حربہ ہے کہ جس شخص کی کہی ہوئی اصل بات پر اگر لوگوں کو اشتعال دلایا جا سکے تو اس میں سے ایک دوسری بات خود نکال کر اس کی طرف منسوب کر دی جائے' درآنحالیکہ اس نے وہ بات نہ کہی ہو۔ مثلاً ایک گروہ کے

نزدیک ایک چیز پر وضو ٹوٹ جاتا ہے اور دوسرے کے نزدیک نہیں ٹوٹتا۔ اب بڑی آسانی سے اوّل الذکر گروہ پر یہ الزام تھوپ دیا جا سکتا ہے کہ وہ موخر الذکر گروہ کے تمام لوگوں کی نمازوں کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس طرح کی کھینچ تان سے کام لے کر پہلے بارہا مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا جا چکا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ فتنہ پردازی کا یہ فن اب تک زندہ ہے۔

سیدھی بات یہ ہے کہ میں ایک معاملے میں اپنی رائے ظاہر کرتا ہوں اور دلائل کے ساتھ اسے ظاہر کرتا ہوں جبکہ دوسرے علماء کچھ اور رائے رکھتے ہیں اور وہ بھی اپنی رائے بیان کر دیتے ہیں۔ اب جسے میری رائے پسند ہو وہ اس پر عمل کرے اور جسے دوسرے علماء کی رائے پر بھروسہ ہو وہ اس پر عمل کر لے۔ کسی کی عاقبت کے متعلق پیشین گوئی کرنا اور کسی کو جنتی اور کسی کو دوزخی بنانا نہ میرا کام ہے اور نہ کسی دوسرے عالم کا۔ یہ تو خدا کا کام ہے۔ وہ اپنے جس بندے کو چاہے جنت میں بھیج دے جسے چاہے دوزخ میں جگہ دے۔ میں کسی مسئلے میں جس حد تک اظہار رائے کر سکتا ہوں، وہ صرف اس قدر ہے کہ ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں، اور اس رائے پر بھی مجھے کبھی اصرار نہیں ہوتا کہ ضرور اسی کو حق مانا جائے۔ اگر کوئی عالم دین دیانت داری کے ساتھ اس رائے سے اختلاف کرتا ہو اور خود اس پر عمل کرے یا اس کے فتوے پر کوئی دوسرا شخص عمل کر لے تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ میں جس چیز کو صحیح سمجھتا ہوں اس پر خود عمل کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی وہی رائے دے سکتا ہوں، جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل مجھے مطمئن نہ کر دے، اپنی رائے دیانتاً واپس نہیں لے سکتا۔

اجتہادی مسائل میں علماء کا قدیم سے یہی طریقہ رہا ہے اور کبھی کسی ذمہ دار عالم نے اپنی اجتہادی رائے کے متعلق ایسا اصرار نہیں کیا کہ جو لوگ کچھ دوسری رائے رکھتے ہیں ان کے عمل کو باطل قرار دیں اور ان کے دوزخی یا جنتی ہونے کا پیشگی فیصلہ صادر

فرمادیں۔

بحالات موجودہ میرے نزدیک کشمیر میں دو طرح کا ہمارا تعاون درست نہیں۔ ایک اسلحہ فراہم کرنا دوسرے لڑنے کے لئے آدمی بھیجنا' یہ دوقسم کی مدد دینا میں اس وقت تک جائز نہیں سمجھتا جب تک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ دونوں حکومتوں کے درمیان کسی طرح کے معاہدانہ تعلقات نہیں تھے یا اب نہیں رہے۔ ان دوقسم کی اعانتوں کے ماسوا ہم آزاد کشمیر کے لوگوں اور ان کی مدد کرنے والوں کو غلہ' کپڑا' دوائیں' مرہم پٹی کا سامان' طبی امداد کے لئے ڈاکٹر اور تیماردار سب کچھ بھیج سکتے ہیں' حتیٰ کہ اگر وہ پاکستان میں آ کر اسلحہ خریدیں تو ان کے ہاتھ وہ بھی فروخت کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں خود جماعت اسلامی بھی خاموشی کے ساتھ کچھ نہ کچھ کر رہی ہے اور یہ چیز اصولاً معاہدانہ تعلقات کے خلاف نہیں ہے۔

سوال: کہا جا رہا ہے کہ آپ نے اور آپ کی جماعت نے جہاد کشمیر کو کمزور کرنے کے لئے ایک مستقل معرکہ شروع کر رکھا ہے اور اس سے محاذ کشمیر کو مضبوط کرنے کی کوششوں میں خلل آ رہا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ شرعاً آپ کے لئے ایسی مہم جاری کرنا لازم ہے؟

جواب: یہ مہم جاری کرنے کا الزام قطعاً بے بنیاد ہے۔ میں نے تو ایک شخص کے اصرار پر ایک پرائیویٹ صحبت میں محض اپنی رائے ظاہر کر دی تھی۔ اس کے بعد اس رائے کو پھیلانے کی پوری مہم ان لوگوں نے خود اپنے ذمہ لے لی جنہیں کشمیر کو بچانے کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی مجھے بدنام کرنے کی فکر ہے۔ ذاتی طور پر میری اور بحیثیت مجموعی جماعت اسلامی کی مستقل پالیسی یہ ہے کہ ہم اپنے اصل مقصد یعنی نظام اسلامی کے قیام کے سوا کسی اور مسئلے کو اپنی جدوجہد کا محور نہیں بناتے۔ دوسرے مسائل اگر پیش آتے ہیں تو ان پر زیادہ سے زیادہ بس اتنا ہی کہا جاتا ہے کہ ہم اپنے نزدیک جو کچھ حق سمجھتے ہیں

اس کو بیان کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی تبلیغ اور اس کے لئے کوئی جدوجہد نہ میں خود کرتا ہوں' نہ جماعت کے لوگ! میں نے پچھلے چند مہینوں میں متعدد تقریریں کی ہیں جنہیں ہزاروں آدمیوں نے سنا ہے اور کوئی سامع یہ شہادت نہیں دے سکتا کہ مسئلہ کشمیر کے متعلق میں نے کچھ بھی اظہار رائے کیا ہو۔ صرف لائل پور میں چند الفاظ مجبوراً اس لئے کہے تھے کہ مجمع عام میں مجھ سے سوال کیا گیا اور میں نے جب کہا کہ سائل صاحب نجی صحبت میں مجھ سے آ کر دریافت کر لیں تو اصرار کیا گیا کہ مجمع عام ہی میں جواب دیا جائے۔ جماعت کے دوسرے لوگوں کے متعلق میں نے پوری طرح تحقیق کر لیا ہے کہ انہوں نے بطور خود اس مسئلہ کو کسی کے سامنے چھیڑا ہے' نہ کہیں اس کی تبلیغ کی ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج کیا جائے کہ جب ہم نظام اسلامی کی دعوت پیش کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے جاتے ہیں تو فتنہ پسند لوگ جان بوجھ کر اس سوال کو چھیڑتے ہیں' معذرت کی جائے تو اصرار کرتے ہیں اور جب مجبوراً جواب دیا جائے تو الزام عائد کرتے ہیں کہ تم نے اس کے لئے مہم شروع کر رکھی ہے۔ حالانکہ مہم ان لوگوں نے خود شروع کر رکھی ہے جو اخبارات میں اور خطبوں اور تقریروں میں اس سوال کو چھیڑے چلے جا رہے ہیں۔

سوال: یہ بات آپ کے علم میں آ چکی ہوگی کہ تقریر و تحریر کے ذریعے عام طور پر کہا جا رہا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کوئی معاہدانہ تعلقات نہیں؟

جواب: پاکستان اور ہندوستان کے درمیان بعض باہمی معاملات ایسے ہیں جو ہمیشہ سے حالت جنگ (STATE OF WAR) کے نہ ہونے کی دلیل سمجھے جاتے رہے ہیں اور آج بھی سمجھے جاتے ہیں۔ پھر دونوں حکومتوں کے درمیان مالی اور تجارتی معاملات اور مہاجرین کے مختلف مسائل' اغوا شدہ عورتوں کی بازیافت اور کرنسی کے معاملات کے متعلق مسلسل سمجھوتے ہوتے رہے ہیں اور یہ تمام سمجھوتے اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کے درمیان حالت جنگ قائم نہیں ہے۔ دنیا کی کوئی قوم بھی کسی دوسری

قوم سے مالی اور تجارتی لین دین اس حالت میں نہیں کرتی جبکہ وہ اسے اپنے خلاف برسر جنگ سمجھتی ہو۔ اس کے بعد ابھی اپریل ۱۹۴۸ء میں دونوں حکومتوں کے درمیان کلکتے کا معاہدہ ہوا ہے جس میں اور مسائل پر سمجھوتہ کرنے کے ساتھ اس امر پر بھی سمجھوتہ ہوا تھا کہ دونوں حکومتیں اپنے اپنے ملک کے اخبارات کو ہدایت کریں گی کہ وہ کوئی ایسی بات شائع نہ کریں جس سے یہ معنی نکلتے ہوں کہ ان دونوں کے درمیان جنگ ناگزیر ہے یا اعلان جنگ ہونا چاہئے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دونوں حکومتیں باہم مصالحانہ تعلقات رکھتی ہیں اور انہیں جاری رکھنا چاہتی ہیں۔ ابھی حال ہی میں اس سمجھوتے کا حوالہ دیتے ہوئے پنڈت نہرو کی معاندانہ تقریروں کے خلاف حکومت پاکستان نے احتجاج کیا ہے کہ یہ تقریریں میثاق کلکتہ کی اسپرٹ کے خلاف ہیں۔ اسی طرح جونا گڑھ کے معاملہ میں پاکستان کی شکایت کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ریاستوں کے متعلق تقسیم کے معاہدے سے ابتداءً جو بات طے ہوئی تھی اس کی رو سے ریاست جونا گڑھ پاکستان میں شرکت کی دستاویز پر دستخط کرنے کے بعد پاکستان کا ایک حصہ ہو چکی ہے اور اس کی پروانہ کرتے ہوئے انڈین یونین کے اس پر زبردستی قبضہ کیا ہے۔ آخر انڈین یونین کے اس فعل کو بدعہدی قرار دینے کے اس کے سوا اور کیا معنی ہیں کہ دونوں کے درمیان کوئی معاہدانہ تعلق تھا جس کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ یہ ساری باتیں بھی اگر کسی کے نزدیک معاہدے کی تعریف میں نہ آتی ہوں تو وہ اپنی رائے کا مختار ہے۔ میں اب تک یہی سمجھتا ہوں کہ دونوں حکومتوں کے درمیان ایسے معاہدانہ تعلقات ہیں جن کو قائم رکھتے ہوئے ہم انڈین یونین کے خلاف شرعاً کوئی جنگی کارروائی نہیں کر سکتے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''میثاق'' کا اطلاق صرف اس معاہدے پر ہوتا ہے جس میں عدم محاربہ کی تصریح ہو یا جس میں باہم حلیفانہ تعلق (alliance) کا عہد و پیمان ہو،

وہ نہ قرآن سے کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں' نہ لغت عرب سے ۔اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل اور انبیاء سے جو اقرار لئے تھے ان کے لئے لفظ ''میثاق'' ہی کو استعمال کیا ہے' آخر ان دونوں میں سے کون سا مفہوم ان مواقع پر مراد ہے۔

سوال: خیر اگر دونوں حکومتوں کے درمیان کچھ معاہدانہ روابط کے واقع ہونے کو مانا بھی جائے تو یہ تو واضح ہے کہ انڈین یونین کی طرف سے ان کی جو خلاف ورزیاں ہو چکی ہیں۔ان کے بعد مملکت پاکستان کے باشندوں کو بھی ان کی خلاف ورزی کرنے کا حق پہنچتا ہے۔جیسا کہ نبی ﷺ نے جب قریش مکہ کو صلح حدیبیہ کے بعد عہد شکنی کرتے ہوئے پایا تو معاہدانہ تعلقات ہونے کے باوجود مکہ پر چڑھائی کر دی۔اس مثال کو سامنے رکھنے کے بعد ہماری حکومت کے طرز عمل کے لئے مجھے نہ قرآن و حدیث میں کوئی دلیل ملی ہے' نہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت سے کوئی شہادت۔اگر کوئی صاحب ایسی کوئی شہادت رکھتے ہوں تو وہ اس کو پیش فرمائیں۔میں اپنی رائے واپس لینے کے لئے تیار ہوں۔

یہ بات بھی واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ معاہدے کرنا اور ان کو معدوم یا ختم شدہ قرار دینا نہ تو اخبارات کا کام ہے نہ انفرادی طور پر لیڈروں کا' نہ خطیبوں اور مقرروں کا۔یہ کام صرف حکومتیں ہی کرتی ہیں اور وہی کر سکتی ہیں۔اگر معاہدانہ تعلقات ختم ہو چکے ہیں یا سرے سے تھے ہی نہیں تو یہ حکومت پاکستان کا کام ہے کہ وہ صاف صاف اس بات کو کہے۔اگر آج حکومت پاکستان سرکاری طور پر اس چیز کا اعلان کر دے تو میں خود اعتراف کرلوں گا کہ اب شرعی پوزیشن وہ نہیں ہے جو میں نے بیان کی تھی اور ہم جنگی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہیں۔

سوال: معاہدات کو موجود اور برقرار سمجھتے ہوئے یہ بات قابل غور ہے کہ خاص سرزمین کشمیر کے متعلق تو ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہے۔لہٰذا اس کے معاملے میں تو پاکستان

آزاد ہے کہ جو چاہے کرے؟

جواب: یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ کشمیر کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ تقسیم کے معاہدے میں ریاستوں کے متعلق جو بات طے ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ ریاستوں کو حق ہو گا کہ دونوں مملکتوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں شریک ہوں یا آزاد رہیں۔ اس بنیاد پر جونا گڑھ کی پاکستان میں شرکت کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ پاکستان کا ایک حصہ ہو چکا تھا اور انڈین یونین نے اس پر زبردستی قبضہ کیا۔ اسی بنیاد پر جب ہم حیدر آباد کے حق آزادی کی حمایت کر رہے ہیں۔ اب کشمیر کے معاملے میں ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سرے سے کوئی معاہدہ ہی نہیں ہے۔ ہمیں یہ دعویٰ کرنے کا حق ضرور ہے کہ کشمیر کے باشندوں کی مرضی کے خلاف والیٔ ریاست نے مستبدانہ طریق سے انڈین یونین میں شرکت کی ہے اور ہم ایسی شرکت کو تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن اس دعویٰ کے معاملہ میں ہمارے لئے دو ہی طریق کار ہو سکتے ہیں۔ یا تو ہم مصالحانہ طریق سے باشندگان کشمیر کے اس حق کو تسلیم کرائیں اور یا کھلم کھلا اپنی فوجیں کشمیر میں اسی طرح اتار دیں جس طرح انڈین یونین نے جونا گڑھ میں اتاری تھیں۔ ان دونوں سیدھی راہوں کے درمیان کوئی تیسری راہ دیانت اور سچائی کی راہ نہیں ہے بلکہ مغربی طرز کی غیر اخلاقی راہ ہے۔ آپ اس راہ پر چلنا چاہیں تو چلئے مگر اسلام کو اپنے ساتھ گھسیٹنے کی کوشش نہ فرمائیے۔

سوال: مگر ایک اور بات بھی تو فیصلہ طلب ہے۔ وہ یہ کہ پاکستان کی طرف سے جس حکومت نے انڈین یونین سے سمجھوتے کئے ہیں وہ ایک غیر شرعی حکومت ہے اور مسلمان ایک غیر شرعی حکومت کے طے کئے ہوئے سمجھوتوں کے پابند ہی کب ہیں؟

جواب: پاکستان کی حکومت خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی، بہر حال وہ سب مسلمانوں کے اپنے منتخب کئے ہوئے نمائندوں پر مشتمل ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے گورنر

جنرل کو کم از کم ۹۵ فیصدی مسلمانوں کا اعتماد حاصل ہے۔ ایسی حکومت جو بھی کام کرتی ہے وہ قوم کی طرف سے کرتی ہے اور اس کے اعمال کے لئے پوری قوم خدا اور خلق دونوں کے سامنے ذمہ دار ہے۔ اسی بنا پر تو میں کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کے اپنے منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ہاتھوں یہاں ایک غیر شرعی حکومت قائم ہو اور چلتی رہے تو پوری قوم خدا کے ہاں جواب دہ ہوگی۔ اور اسی بنا پر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ دوسری قوموں کے ساتھ جو معاہدات پاکستان کی حکومت طے کرتی ہے ان کی شرعی اور اخلاقی ذمہ داریوں سے پاکستان کے باشندے آزاد نہیں ہو سکتے۔

طالبات کے لئے ایف اے اور بی اے کی تعلیم کا جدید ادارہ

طوبیٰ گرلز کالج لاہور

ایف اے سال اول/دوم میں داخلے جاری ہیں

- بہترین محل وقوع
- تجربہ کار اور کوالیفائڈ ٹیچنگ سٹاف
- جملہ تدریسی آلات سے مزین
- ماڈرن کمپیوٹر لیب اور کمپیوٹر کی لازم تعلیم بلا اضافی فیس
- اسلامی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے فروغ پر خصوصی توجہ
- کشادہ لائبریری ہال ● باپردہ اور پاکیزہ ماحول ● خوبصورت اور کشادہ عمارت
- تفریح کے لئے ان ڈور اور آؤٹ ڈور کھیلوں کی سہولت اور صاف ستھری کینٹین

اقتدار احمد ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام طوبیٰ گرلز کالج کا قیام فروغ تعلیم اور کردار سازی کو ایک مقدس مشن سمجھتے ہوئے عمل میں لایا گیا ہے۔ طوبیٰ گرلز کالج میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے بچیوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے کہ جنہیں آنے والی نسل کی تربیت کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔

مزید معلومات کے لئے کالج کا وزٹ کریں

طوبیٰ گرلز کالج لاہور 78 سیکٹر اے ون۔ ٹاؤن شپ لاہور
فون: 5114581 e-mail:toobacollege@ hotmail.com